

وَلَا تُفْلِحُ وَانْتِظِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ
وَلَا تُفْلِحُ وَانْتِظِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

أَفْضَلُ الْجِهَادِ

كَلِمَةُ حَقٍّ

عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

(ترجمہ) ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے

مبلغ کلمہ حق فقیر حقیر حسین الدین اجمیری کاشغر

منجانب مجلس خلافت دارالخیر اجمیر

تصحیح و ترمیم قاری سید حسن شاہی امام عیدہ ملی مولوی عبید الرحمن صاحب سبھتی

محسن انصاف منشی حاجی عبدالغنی صاحب

کتاب مطبوعہ قریب و دُور
مکتبہ مطبوعہ قریب و دُور

تعداد طبع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُحَمَّدٌ وَنُصْرَتِي عَلَى سَائِرِ الْكَافِرِينَ

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر دشمنان دین کی جانب سے ہمیشہ حملے ہوتے رہے اور اسلام کی شوکت و قوت کو فنا کرنے کیلئے ہر ممکن ذریعہ کو کام میں لائے۔ اسلام پر کوئی صدی ایسی نہیں گذری جس میں اعدائے ملت نے اسلام کو مبتلائے مشکلات نہ کیا ہو۔ اس دشمنی و عداوت میں جس قوم نے نمایاں حصہ لیا وہ علمبرار عیسائیت ہے۔ یہ متعصب قوم ہمیشہ اپنی تمام قوتیں اسلام کے فنا کرنے پر صرف کرتی رہی لیکن اس مقصد میں آج تک کامیاب نہ ہو سکی۔ بلکہ اکثر مرتب اسلامی جہد و تہجد کے سامنے اسکو بھی مثل دیگر قوموں کے گردن تسلیم خم کرنا پڑا۔ اب جبکہ اسکا آفتاب اقبال دائرہ نصف النہار کو پہنچ چکا ہے تو اُسے اسلام کے فنا کر دینا پورا تہیہ کر لیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ بار بار ایسا خوشگوار زمانہ میسر نہیں آتا۔ حقیقت عیسائیت اب اسلام سے اکتاہٹی گئی ہے۔ اُسکے نزدیک اسلام کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ دنیا میں اب تک موجود کیوں ہے۔ وہ یہ خیال کرتی ہے کہ ہمارے اس دور اقبال میں اپنی گرسلام فنا کے گھاٹ نہ اُترا یا اسکی رہی سہی قوت (خاک بہن دشمن) بالکل زائل نہ ہوئی تو پھر اسلام کے فنا ہونے کی کیا صورت ہوگی جو بخار کی طرح ہماری آنکھوں میں کھٹک رہا ہے۔ یہ مقصد مد نظر رکھتے ہوئے جنگ یورپ کے خاتمہ کے بعد عیسائیت کے اعلیٰ علمبردار برطانویہ نے خلیفہ

اسلام کے سامنے وہ شرائط صلح پیش کئے جنکی رو سے خلیفہ اسلام غلام اور برطانیہ آقا
 قرار پاتی ہے۔ حرمین شریفین طرغ جاز پر شریف مکہ کے ذریعہ برطانیہ کا پہلے ہی تسلط
 ہو چکا تھا اور مسلمانوں سے سفید سیج بولکر خود انہیں کی امداد و اعانت سے ان کے
 مقامات مقدسہ بیت المقدس و دیگر بلاد اسلامیہ فتح کر چکی تھی۔ اب اس کے نزدیک
 اہم کام صرف خلافت کا خاتمہ تھا۔ اسکو شرائط صلح کے ذریعہ انجام تک پہونچایا
 برطانیہ کے جہازوں و ڈریٹ ناٹوں سے محصور خلیفہ بجز اسکے کہ ان شرائط کو
 تسلیم کرے اور کیا کر سکتا تھا۔

دنیا جس سے منحوس ہو جائے وہ اس کام و استان میں یہ بات ہو کہ
 برطانیہ نے مسلمانوں ہی کے ذریعہ اسلام کی قوت و شوکت کو مٹایا۔ اس کے
 برطانیہ کسی کی اس قدر منت پذیر نہیں ہے جس قدر خود مسلمانوں کی ہو۔ الغرض
 جب اسلام کی حالت قریب نزع کے پہونچی تب اسلامی حلقہ میں ایک عام ہجان
 ممانعت پیدا ہو گیا جسکے وہ شرعاً مامور تھے۔ لیکن بطور اتمام حجت بکسروگی مولوی
 محمد علی صاحب مسلمانوں کی جانب سے ایک فدا انگلستان روانہ کیا گیا تاکہ وزراء
 انگلستان کو خلافت کی اہمیت سمجھا کر شرائط صلح میں ترمیم یا اسکی تبدیل کر دے
 جس سے ترک کی اقتدار بدستور برقرار رہے اور مقامات مقدسہ و جزیرہ عرب خلیفہ
 اسلام کی حمایت میں رہیں۔ یہ نہ صرف مطالبہ تھا بلکہ اس شاندار وعدہ کی یاد دہانی
 تھی جو اٹار جنگ میں مسلمانوں نے کیا گیا تھا کہ جزیرہ عرب و دیگر مقامات مقدسہ
 کا پورا احترام کیا جاوے گا اور جو حیثیت انکی قبل از جنگ تھی وہی بعد میں بھی تسلیم
 کی جائیگی۔ مگر کون کے ساتھ جنگ محض ملکی ہے۔ اسکو مذہب کے کوئی علاقہ نہیں
 مسلمانوں کو کیا معلوم تھا کہ یورپین وعدے مرطلب برآری کے اصول پر مبنی
 ہوتے ہیں۔ اعلیٰ بد بختی کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے کہ مسلمان اس

وعدے پر وثوق کر کے اپنے خلیفہ کے بالمقابل کھڑے ہو گئے۔ جسکا نتیجہ آج یہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ برطانیہ کا سب سے بڑا حریف و دشمن جرمنی اپنے مقبوضات پر بدستور قائم ہے لیکن خلیفہ اسلام اپنے اُن مقبوضات سے بھی محروم کر دیا گیا جو زمانہ جنگ میں فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے۔ اس حساب سے عہد صلح ترکوں کے حق میں زمانہ جنگ سے بھی زیادہ تلخ ثابت ہوا۔ یہ ہوا اُس وعدہ کا حشر جسکے مناد اقل سابق وائسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ تھے۔ اور یہ تھی وہ ملکی لڑائی جسکی رو سے مسلمان ترکی پرزور لگایا گیا اور عیسائی جرمنی صاف بچا لیا گیا۔ وفد کے رکن عظیم مولوی محمد علی نے نہایت جرأت و حیا کے ساتھ مسلمانان ہند کی آواز کو وزیر انگلستان تک پہنچا دیا۔ لیکن جیسا کہ خیال تھا ظاہر وہی ہوا کہ وفد ناکام آیا۔ وفد کی واپسی پر حجت الہی قائم ہو گئی۔ اُسی وقت سے یہ سوال فضول ہو گیا کہ کسی مسلمان نے بیجا بن مرافعت میں کیوں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا بلکہ اس سوال کا وقت آیا کہ مسلمان ہو کر کیوں اپنی جان و مال کو اسلام پر نثار کر نیسے دریغ کیا۔ مسلمانوں کی ہر طرح کی کمزوریوں کا لحاظ کرتے ہوئے جسیں اپنی کمزوری بھی شامل تھی جمعیتہ علمائے ہند منعقدہ وہلی کا یہ فتویٰ صادر ہوا کہ برطانیہ کے ساتھ موالات نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں جسکے ماتحت حسب ذیل امور بھی اجاب العمل ہیں۔

- (۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا (۲) کونسلوں کی ممبری کے علمی اور امیدواروں کیلئے رائے نہ دینا۔ (۳) دشمنان دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا (۴) کالجوں سکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا۔ اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا۔ (۵) دشمنان دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا۔ اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا۔ (۶) عدالتوں میں مقدمات نہ لیجانا اور وکیلوں

کیلئے اُن مقدمات کی پیروی نہ کرنا۔

ان سہل تجاویز و وفعات کو یہی ناقابل برداشت وہی کہہ سکتا ہے یا اگر
 دل میں اسکا خطرہ گذر سکتا ہے جسکی نظر و بین بجائے اسلام کے اُسکے ذاتیات
 زیادہ وسیع ہیں۔ اور جو دنیوی چند روزہ معیشت کو عقلی کے غیر فانی لذائذ پر ترجیح
 دیتا ہے۔ اور جسکا قلب بمقابلہ خدائے فوالجلال کی غیر محدود قدرت کے حکومت
 موجودہ کے جاہ و جلال سے زیادہ متاثر ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان وفعات میں یقینی
 طور پر نہ جان کا مطالبہ ہے نہ مال کا۔ پھر یہی بعض طبائع پر یہ وفعات استقدر
 گراں ہیں کہ اُنکے نزدیک اس سے بالاتر کوئی مصیبت اور اس سے سخت تر کوئی
 عذاب نہیں ہو سکتا۔ انکا قول ہے کہ ”ترک موالات کی وفعات کا اپنی مشکلات
 کے باعث کامیاب ہونا امر محال ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس تحریک میں ہم حصہ نہیں لیتے۔ اگر
 اس تحریک سے وہ حصہ نکال دیا جائے جسکی وجہ سے متعدد دشواریاں عائد ہوتی ہیں تو ہم بھی
 اس تحریک میں شرکت کر نیکی لئے آمادہ ہیں۔“ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ ”اگر دنیوی
 ذاتی تعلقات کی فہرست میں سے ایک تعلق بھی کم کر دیا گیا تو ہم اس تحریک میں شرکت کرنے
 سے منہ دور ہیں۔ البتہ تعلقات کے بدستور قائم رہنے پر ہم تحریک ترک موالات کا دل سے خیر مقدم
 کرنے کیلئے بالکل تیار ہیں۔“ اب فرماتے ہیں کہ اس میں اشار و قربانی کیا ہوئی۔ اگر اسی کا نام
 قربانی و اشار ہے تو اس کے لئے آپکی کیا خصوصیت دنیا بھر کے مزدول ہیں اس میں حصہ
 لے سکتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس اصول کی بنا پر آپ اپنی ہستیوں کو مزدلوں
 کی جماعت سے ممتاز کر سکیں۔ آپکا یہ خود ساختہ اصول اس امر کی طرف رہبری کرتا ہے۔
 کہ جتنا کسی خوشگوار نتیجہ کا تئیں یا اسکی باضابطہ قابل اعتماد ضمانت نہ ہو جائے کسی
 کام کیلئے اپنے کو تیار نہ کرنا چاہئے خواہ وہ اسلام کی خدمت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اصول
 خواہ کتنا ہی باضابطہ اور اُنکی نظروں میں وسیع ہو لیکن ہدایت قرآنی کے عرصہ خلاف

ہے۔ قرآن کریم اس پاک مقدس دعا کی تعلیم دیتا ہے کہ۔

وَقَدْ ثَبَتَ اَقْلَامُنَا وَانصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
(اے ہمارے رب) تو ہمارے قدموں کو
(قائم و ثابت رکھہ اور کافروں پر نصرت

(دغلیہ) عطا فرما۔

پابندان راحت و نیروی کے اصول پر یہ دعا محض بے ضرورت و فضول
ہے۔ کیونکہ اُنکے قدم پہلے ہی سے اپنی جگہ پر قائم ہیں اور اپنے مرکز ثقل سے یک
سیر ہو رہی نہ سر کے۔ اور نہ کسی پر خطر راہ میں اوہوں نے اپنا قدم رکھا۔ ایسے حضرات
کے حق میں یہ دعا بالکل تحصیل حاصل ہے۔ وہ حضرات ایسا کام ہی کیوں کرتے
گے جسکی بنا پر اس دعا کی ضرورت پیش آئے۔ جان و مال و عزت تو بڑی چیزیں
ہیں وہ دُور اندیش و انجام بین ہستیاں گورنمنٹ کے خطابات اور اسکے بخشے
ہوئے آنریری عہدوں کے ترک اور اُسکے جلسہ ہائے جشن نشاط کی عدم
شرکت کو جب تکلیف مالا یطاق شمار کرتی ہیں تو پھر وہ کون پر خطر راہ باقی
رہ گئی جس سے سلامتی کیلئے انکو توجہ الی اللہ کی ضرورت پیش آئی حالت میں
کسی قسم کے اشار و قربانی کی اُن سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ مخالفین عدم
تعاون میں سے وہ حضرات ہماری بحث سے خارج ہیں جنکو نہ اسلام کی
شوکت مطلوب نہ اسلام کے موجودہ انحطاط پر کوئی افسوس نہ اپنی فطری
آزادی کا اُبن کوئی جذبہ موجود۔ البتہ جو حضرات حامیان عدم تعاون
کی طرح اسلام کا سچا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ اُنکی خدمت میں استھد
گزارش ہو کہ اگر دنیا میں کوئی ایسی مثال پیش کیا سکتی ہے۔ کہ بغیر اشار و قربانی کے
کوئی قوم کامیاب و فائز المرام ہو گئی ہے تو آپکا پُر امن مسلک تسلیم کرنے میں
ہمکو کوئی عذر نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی مثال نہیں پیش کیا سکتی اور یقیناً پیش نہیں

کیجاسکتی تو پھر وہ کیا عذر ہے۔ جو آپ کو جادات کی طرح بجیس حرکت کئے ہوئے ہے۔
یہ بالکل صحیح ہے کہ میجان مدافعت نے جہان سودمند نتائج پیدا کئے ہیں وہاں ہر مضر
اثرات سے یہی بعض اوقات خالی نہیں رہی۔ لیکن گامی و پست ہمتی کا نتیجہ صرف ایک
رہا ہے یعنی دائمی غلامی ابدی رسوائی و خواری۔

ان حضرات کے اس عوسے پر وثوق کرنے کیلئے ہم تیار ہیں کہ ”مکہو اسلام
کے ساتھ کامل پھر دی ہے“ لیکن اس کا کیا علاج کہ ان کے شبہات عہد اقدس
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقین سے ملتے جلتے ہیں۔ مخالفین عدم تعاون کا عام
طوطہ پریشہ ہے کہ ”یہ تحریک (ترک موالات) جو ملک میں پھیل رہی ہے ناگہم ہوئی تو
پھر گورنمنٹ کی نگاہ قہر ہماری سہی قوت کا ہی خاتمہ کر دے گی اور جو حقوق اس طویل زمانہ میں
مسلمانوں کو مل چکے ہیں اُن سے قطعاً محروم کر دئے جائینگے۔ پھر ہمارا کہیں سہارا نہیں رہیگا۔“
یہی شبہ منافقین نے بھی عہد اقدس میں پیش کیا تھا جبکہ مسلمانوں کو یہود کیسا کٹھ
دوستانہ تعلقات قائم رکھنے سے مانعت کی گئی تھی۔ چنانچہ قرآن کریم میں
ارشاد ہے کہ۔

يَقُولُونَ نَحْشِيْ اَنْ تَصِيْبَنَا دَاوۡۃُ (منافقین) کہتے ہیں کہ (ہمارے دوستانہ

تعلقات یہود کیسا کٹھ اس لئے ہیں کہ کہیں محمد صلعم
گردش زمانہ سے اپنے لڑوہ میں کامیاب ہوں اور یہود
غلبہ حال کریں) اس وقت ہمارے بڑے بڑے معصیت کا
سامنا ہوگا۔

اس کا جواب خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح دیا ہے۔

عَسٰی اَنْ يَّاتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمِّنْ | پس قریب ہے کہ حق تعالیٰ فتح یا کوئی اور بات
عندہ فیصلہ کرے اعلیٰ امر وافی انفسہم | اپنی جانب سے ایسی آئے کہ منافقین اپنے

ناد صین -

مخفی خیالات پر تادم ہو کر رہ جائیں -

اس آیتہ کریمہ میں صرف ان منافقین کے شبہ کا جواب ہی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ نے فتح و نصرت کی یہی امید دلائی ہے۔ کہ جس کے بعد پھر کسی مسلم کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہنا چاہئے۔ چنانچہ عہد حاضر میں ہی حق تعالیٰ کے اس وعدہ پر وثوق کر کے جمہور اہل اسلام نے موالاة نصاریٰ کے ترک کر نیکا تہیہ کر لیا جسکو فتویٰ کی صورت میں جمعیتہ علمائے ہند منعقدہ دہلی نے (جس میں تمام اطراف ہند کے علماء شریک تھے) شایع کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کی اس سے پیشتر جناب مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محلّی علمائے ہند سے ایک فتویٰ حاصل کر چکے تھے۔ جس پر تقریباً تین سو علماء کرام کے دستخط ثبت تھے جس میں مسئلہ خلافت پر کافی روشنی ڈالنے کے علاوہ وقار کفار کی فرضیت ہی واضح طور پر ثابت کی گئی تھی۔ اور نہ صرف فرض کفایہ بلکہ حالات حاضرہ کے لحاظ سے اُسکا فرض عین ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ یہ تحریک سب سے پہلے جلسہ مشایخ عظام منعقدہ ۱۱ اپریل ۱۹۱۹ء بمقام اجیمیر شریف زیر صدارت عالیجناب شیوان سید شرف الدین علیخان صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ اجیمیری قدس سرہ منظور ہو کر بطور اطلاع و ایسے اُس کے ہند کی خدمت میں بھی گئی اور پھر حسب تجویز خلافت کانفرنس منعقدہ کلکتہ طبع ہو کر تمام ملک میں شایع ہوئی۔ عام علمائے کرام کے اتفاق و اجماع کے بعد باقی ماندہ علماء درجو بمقابلہ جمہور علماء کے بغایت قلیل تھے) ساکت رہے۔ اُنکی خاموشی کو ایسے نازک وقت میں مجرمانہ خاموشی تھی کیونکہ مسئلہ خلافت اور مسئلہ وقار کفار (جو وقت کہ انکا تسلط عربین شریفین پر ہو گیا تھا) جزئی و فرعی مسائل کے شمار میں نہ تھے کہ انکو نظر انداز کر دیا جاتا بلکہ درحقیقت یہ اسلام کے فساد و بقاء کا مسئلہ تھا۔

اسکی فرغیت اُسوقت عائد ہوئی جبکہ خلیفہ اسلام کا اقتدار سلب کر کے خلافت کی
روح نکالی گئی اور اسلام کو اُسکے قدیمی وطن (ارض حجاز) سے نکلانے کا فیصلہ کیا گیا۔
ایسے پر آشوب وقت میں ہی بقیہ افراد علماء کے سکوت کا صاف مطلب یہ تھا کہ
اُنکے نزدیک اسلام کوئی قابل التفات شئی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کو
اسلام ہی قابل التفات نہیں سمجھتا اس لحاظ سے اُنکا سکوت یا علیحدگی و خلوت نشینی
اس عام تحریک کے حق میں کوئی مضرت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ساکت حضرات کو اُنکے سکوت
کیساتھ جوڑ دیا گیا۔ اسی طرح ارباب سکوت کو بھی چاہئے تھا کہ سکوت پر قناعت کرتے
جس طرح اہل حق نے اُنکے سکوت کو غنیمت سمجھا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس خاموش
گروہ میں سے دو بزرگوار بول ہی اُٹھے۔ بسا غنیمت ہوتا اگر وہ صرف اپنی برارت
پر اقتصار کرتے یا اپنی کمزوری کو تسلیم کر کے حق گو حضرات کی مقتدر جماعت میں
شامل ہونے کی سعی کرتے۔ اس صورت میں گواہ کا درجہ پسٹ ظاہر ہوتا لیکن یہ بھی کیا
کم تھا کہ وہ اپنی حرکت مذہبی کے بدولت اہل حق میں شمار کراتے جاتے۔ اہل حق
استفادہ رنگ چشم نہ تھے کہ اُس کمزور جماعت کو اسلام کی صفِ آخر میں بھی جگہ نہ دیتے
مگر نہ معلوم کیا خیال قائم کر کے اُن ہر دو بزرگوار نے نہایت دلیری و جسارت کے
ساتھ جہو علماء کرام کے متفقہ فتویٰ کو اپنی کمزوریوں کے ذریعہ عوام کی نظروں
سے گرانا چاہا اور نہ صرف مجرمانہ خاموشی سے اپنی برارت ظاہر کی بلکہ نصیر عام و صدا
حق کو بے ہنگام قرار دیکر تمام علماء ہند کو مطلعوں و مورد التزام بنایا۔ قارئین کرام
کو سخت حیرت ہوگی جب وہ معلوم کریں گے کہ انیس سے ایک بزرگ جناب مولوی
احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہیں اور وہ مسکے حضرت مولوی اشرف علی
صاحب تہانوی۔ یہ دونوں بزرگوار سلسلہ اختلافیات میں خاص شہرت رکھتے
ہیں۔ اور بعض تصانیف مفیدہ کی بدولت نظر عوام میں مقبولیت بھی حاصل کر چکے ہیں

چنانچہ اول الذکر مجدد المائتہ الحاضرہ اہلئے جاست میں اور دوسرے صاحب حکیم اللہ
دونوں بزرگوار کی چند مسائل میں مخالفت باہمی ہندوستان میں ضرب المثل ہے۔
ہر ایک کی جانب سے دوسرے کی تکفیر و تغلیل تک نہایت پہونچ چکی ہے۔ ان
میں کون اپنے دعوے میں سچا ہے۔ یہ ہماری موضوع بحث سے خارج ہے۔
البتہ براہ ادب و حکیم ظہور المؤمنین خیرا پھارا اجمالی عقیدہ یہ ہے کہ دونوں بزرگوار
اپنے اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ بلکہ سر دست جو بات بتیاب کر رہی ہے وہ
صرف یہ دونوں دائرہ روزگار محتاط و مقدس مولوی جنکے احتیاط و تقدس کی بیشان
ہو کہ محض جزئی اختلافات میں جنکی مسرکہ آرائیان رہی ہوں۔ جنہوں نے فروعی
مسائل میں بال کی کہال نکالی ہو اور جو معمولی مباحث میں ہندی کی چندی کر نیوالے
ہوں۔ جنہوں نے محض ادنیٰ و معمولی باتوں پر احکام شرعی کی بہرہ راری ہو۔ جنہوں
نے مولود شریف میں قیام و عدم قیام جیسے جزئی مسئلہ پر اصولی مسئلہ جبر و قدر کی طرح
موشگافیان کی ہوں اور دریا کے تحقیقات بہائے ہوں وہ خلافت جیسے عظیم الشان
مسئلہ میں (جسکے ساتھ شوکت اسلام و البتہ ہے) ایسے قسم بخور ہوئے کہ گویا کبھی بڑے
ہی نہ تھے۔ اور جب ایک عرصہ کے بعد بڑے تو گورنمنٹ لگتی۔ یعنی گورنمنٹ
سے نہ تعلقات قطع کرو نہ اُسکے بچھے ہوئے خطا بات و عہدے ترک کرو۔ جو حال
پہلے تھا وہی بحالت موجودہ ہے۔ یعنی جبکہ گورنمنٹ برطانیہ نے قصر خلافت
کے اہتمام کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور خلافت وصیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم ارض سجا پر اپنا تسلط جالیا ہے۔ گویا ان ہر دو بزرگوار کے نزدیک اسلام
احکام سے خالی ہے جنکی رو سے تحفظ اسلام کیا جا سکے۔ جبکہ صاف مطلب یہ
ہو کہ اسلام ایک ایسا قانون ہے جس میں دینی و دنیوی معاشرتی و تمدنی دنیا بھر کے
احکام موجود ہیں لیکن خود اُسکے تحفظ کے متعلق جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ کوئی

مسلم موجود نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اسلام حملہ نظم و نسق دینی و دنیوی کا کفیل ہے
لیکن خود اپنے تحفظ و بقا کی کفالت نہیں کرتا۔ اگر اسلام بغیر خلیفہ و خلافت دنیا
میں باقی رہ سکتا ہے اور اپنے وطن اہل رارض حجاز سے نکل کر اپنی ہستی کو
مستحکم دہریہ قائم رکھ سکتا ہے تو پھر وہ کیا ضرورت تھی جسکی بنا پر حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

من قات و ليس في عنقه بيعلة | جو مرا اور اسکی گردن میں بیعت (امام کی) نہیں ہے وہ جاہلیت کی موت مرا۔
فات صیۃ جاہلیۃ | اسی طرح یہ ارشاد ہے کہ

اخرجوا المشركين من جزيرة العرب | مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔
دوسری روایت میں ہے کہ

اخرجوا اليهود والنصارى | یعنی یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے
من جزيرة العرب - | نکال دو۔

آج اسلام کو دو نو مصیبتوں کا سامنا ہے۔ یعنی اسکی خلافت کا خاتمہ
کیا جا رہا ہے۔ جزیرہ عرب سے اسلام کے نکلے جانے کی تدابیر عمل میں لائی جا رہی
ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل کا وقت آچکا ہے۔ لیکن ہر
ترک گوار کا انتشار یہ ہے کہ چپ سادہ جاؤ۔ نہ شور و فغاں کرو نہ قطع معاملات
کو بدستور اپنی سابقہ روش پر چلے جاؤ۔ ترک موالات و ترک تعلقات میں لفظی
فرق کیا نکالا کہ تمام آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کے جواب سے فراغت حاصل
کر لی۔ اب اگر اسلام کی شوکت کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ ہونے دو اسلام اپنے وطن سے
نکالا جا رہا ہے۔ نکل جانے دو۔ ان دونوں کی فقہانیت نے جب دو لفظ میں فرق
کر دیا تو یہ سب بڑی فتح مسلمانوں اور اسلام کی ہو گئی اسکے بعد کسی دوسری

تدبیر کی کیا ضرورت۔ ہم کہتے ہیں اگر اسی لفظی بحث پر اسلامی عقدہ حل ہو جاتا ہے۔
 تو انہوں نے صرف دو لفظوں میں فرق کیا ہے۔ ہم چار الفاظ میں فرق بیان
 کر چکے لئے تیار ہیں۔ وہ یہ کہ ثان کو آپریشن کا ترجمہ اخبارات میں چار الفاظ کے
 ساتھ کیا گیا ہے۔ یعنی ترک موالات و ترکیب تعلقات و عدم تعاون و عدم اشتراک عمل
 حالانکہ چاروں لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ہر لفظ کا مصداق
 علیحدہ علیحدہ ہے۔ ان الفاظ کی کامل تشریح کیلئے ایک دفتر کی ضرورت ہو جس سے
 اندیشہ ہے کہ ہم اپنے موضوع بحث سے خارج ہو جائیں ورنہ ان سر دو بند گواہ
 کی صیافت طبع کیلئے یہ بی کر گذرتے۔ لیکن اسلام کے حق میں یہ تمام خامہ
 فرسائی بے سود ہوتی۔

الغرض جمہور علماء کرام کے دلائل و براہین کے مقابلہ میں سر دو بند رگوار
 صرف یہ لفظی بحث پیش کر سکے۔ اس سے معمولی استعداد والے حضرات
 پر یہی انکاعبر آفتاب کی طرح روشن ہو گیا۔ اس کے علاوہ خود قانون اسلامی
 کی رو سے جمہور کے مقابلہ میں افراد کوئی شے نہیں ہیں۔ اسلام اسکی ہرگز
 اجازت نہیں دیتا ہے کہ جمہور کے مقابلہ میں افراد کی آواز سنی جائے ورنہ
 شیرازہ اسلام کہی کا پر آگندہ ہو گیا ہوتا۔ خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب جمہور
 صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین متفق ہو گئے تو محض حضرت سعد بن عبادہ
 رضی اللہ عنہ کے اختلاف رائے کو کالعدم قرار دیا گیا۔ اگر اسلام جمہور کے مقابلہ
 میں افراد کی آواز کو وقعت دیتا تو نہ خلافت صلیبی حق بجانب ہوتی نہ خلافت
 مرتضوی۔ بلکہ اسلام کا کوئی ایسا کام کسی زمانہ میں سر انجام نہ پاتا۔ ہر زمانہ میں کم از کم
 دو چار نفر ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جنکی شاہراہ عمل جمہور کی شاہراہ سے
 علیحدہ ہوتی ہے۔ پس ان کی طرف کان دہر کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ کوئی کلام

اتفاق کے ساتھ انجام نہ پائے۔ اور اسلام ہمیشہ کیلئے نعمت اتفاق سے محروم ہو جائے
یہی وجہ ہے کہ عامہ مومنین نے ہر دو نذر گوار کی آواز پر بیک نہ کیا۔ لیکن بعض ضلہ
جھوٹا نزع جو پیشتر سے تنکے کا سہارا تلاش کر رہی تھیں انہوں نے نہایت گرم جوشی
کیساتھ ان ہر دو نذر گوار کی آواز کو نہ صرف سنا بلکہ دل سے قبول کیا۔ یہاں
تک یہی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن اب اس آواز کو مختلف ذرائع سے پھیلانے کی
تدبیر عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اسوجہ سے ضرور ہوا کہ ہر دو نذر گوار کی تحریرات پر
تتقیدانہ نظر ڈالی جائے جس کیوجہ سے اُن غلط فہمیوں کا سد باب ہو سکے جو
عوام کو ان تحریرات کے پڑھنے یا سننے سے ہو رہی ہیں۔ اُسی کے ضمن میں اُن
شبہات کا بھی ازالہ کر دیا جاوے جو سرکاری ملازموں کی زبان پر چڑھے
ہوئے ہیں اور جسکی جا بجا وہ تبلیغ کرتے پھرتے ہیں یا اُسکے لئے خاص طور پر مقرر
کئے گئے ہیں۔ جناب مولوی امیر فاضل صاحب براہ حزم و احتیاط کہلے میدان
سامنے نہیں آئے۔ البتہ انکی خانقاہ امدادیہ سے ایک تحریر بابت ترک موالات
شایع ہوئی جسکے انتساب کے متعلق نفی و اثبات انہوں نے کوئی حکم صادر نہیں
فرمایا اسوجہ سے ہم بھی براہ احتیاط انکی تحریر کو خانقاہی یا تہانوی کیساتھ
یا ذکرینگے۔

ترک موالات اور ترک معاملات

ترک موالات نفسانی کا جو فتویٰ جمہور علمائے کرام نے صادر فرمایا ہے
اسکا انکار نہ بریلوی تحریر سے ہو سکتا نہ تہانوی تحریر پر مستقابہ اسکی۔ اس
سے معلوم ہوا کہ ترک موالات وہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مخالف سے

مخالفت کو یہی اس میں چون و چرا کی گنجائش نہ نکلی۔ تہا لوی تحریر کے ترک
موالات کی گئے یہاں تک بڑھائی کہ نصاریٰ درکنار ان مسلمانوں سے بھی
موالات حرام ہے جو فاسق و فاجر یا متبذرع ہیں۔ چنانچہ اس تحریر کے پہلے صفحہ
میں ہے کہ موالات کے معنی دوستی و محبت کر سیکے ہیں بشریت اسلامیہ کی تعلیم یہ ہے
کہ دوستی اور محبت ان لوگوں سے کرنی چاہئے جو پوری طرح شریعت کے تابع اور شواہد
صلح کے مطیع ہوں اور جو لوگ خدا اور رسول کی طرح مطیع اور مطیع نہیں بلکہ فاسق و فاجر یا متبذرع اور فاسق و فاجر
محبت کے جائز نہیں ہیں کہ وہ اللہ کا حکم کفار و مشرکین ہی کیسا کہ مخصوص نہیں بلکہ ان مسلمانوں سے بھی
دوستی اور محبت حرام ہے جو فاسق و فاجر یا متبذرع وغیرہ ہوں۔

بریلوی تحریر جو اشتہار کی صورت میں شائع ہوئی وہ ترک موالات
کی تائید کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ پیش کرتی ہے کہ "قرآن کریم کا ارشاد ہے
لا تجد قویاً یؤمنون باللہ والیوم
الآخر یوادون من حاد اللہ
ورسولہ ولو کانوا آباءہم
اوانباءہم و اخوانہم و عشیہم

جسے اللہ اور قیامت پر ایمان ہے وہ اللہ اور
رسول کے کسی مخالفت سے دوستی نہ کریگا
لگرچہ اوسکا باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا عزیز۔

بمدا اللہ تعالیٰ ہر دو بزرگوار اس امر میں متفق ہو گئے کہ موالات نصائے
قطعاً ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ ان کے شاندار استدلال سے ہو یا ہے چھو
علمائے کرام نے بھی یہی ارشاد فرمایا تھا۔ البتہ دونوں بزرگوار موالات سے
مفہوم میں معاملات کو شامل نہیں کرتے اسی وجہ سے معاملات کے متعلق
دونوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ بدستور جائز ہیں خالصتاً ہی تحریر میں کہ
شعبہ سے پہلے یہ بات جان لینی چاہئے کہ آجکل اخبارات میں ترک موالات اور عدم تعاون
اور قطع تعلق ان تینوں کو واحد بتلایا جاتا ہے حالانکہ ترک موالات اور جہیز ہے اور ترک

تعلقات امر بظہر ہے دونوں کو ایک سمجھنا سخت غلطی ہے۔ اس لئے جن آیات سے ترک مولات

نابت ہوتی ہے ان سے ترک تعلقات پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ پریلو می
فتویٰ ہی خانقاہی تحریر کے ہمنوا ہے۔ چنانچہ اسکا آغاز اس طرح ہے۔ "مولات

دعوت و بعالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے"۔ یہاں دریافت طلب یہ امر ہے۔

کہ معاملات سے اگر کل معاملات مراد ہوں تو پھر کوئی فریق اثبات میں جواب
دینے کیلئے تیار نہیں۔ پریلو می فتوے کی سنئے بڑے عمریدہ مطلق ہر مال کا کہ

مسلمان کے حق میں متقوم ہو۔ اور بیچنا ہر چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو

کیا مطلقاً معاملات کا جواز اس عبارت سے نکلا۔ یہ عبارت اس امر پر پوری روشناس

ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ وہ معاملات کہ جس میں اسلام کی اہانت یا حرب کی

اعانت ہوتی ہے۔ ہر امر ناجائز ہیں۔ غرض معاملات کی اجازت دینے والوں

کے نزدیک ہی کل معاملات کی اجازت تو نہ ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ہی معاملات

کو ایسی دو زبردست قیدوں کے ساتھ جکڑ دیا ہے کہ جس سے معاملات

کا دائرہ پہلے سے ہی زیادہ تنگ ہو گیا۔ فتویٰ لکھتا تھا معاملات کی وسعت

کی خاطر۔ ہوا یہ کہ جس قدر جمہور علماء کرام نے معاملات میں وسعت رکھی تھی وہ

ہی اب جو سے جاتی رہی جسکی تفصیل آئندہ آتی ہے۔ اب جمہور علماء کرام کا

معتدل فیصلہ سنئے۔ "جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام

کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ برطانویہ کے ساتھ مولات

اور نصرت کے تمام تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں"۔ فرمائیے کہ تمام معاملات

کی حیثیت اس سے کہان نکلی۔ اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تعلقات

اور معاملات دشمنان اسلام سے ناجائز و حرام ہیں جسکی رو سے خاص ان کو

تقویت حاصل ہو۔ اور اسلام اس سے کوئی معتد بہ فائدہ حاصل نہ کر سکے

رہے وہ معاملات و تعلقات جو موجب تقویت اسلام ہیں یا اسلامی ضروریات
 اُن سے پوری ہوتی ہیں وہ بہستور جواز کی حد میں ہیں۔ مثلاً اگر گورنمنٹ برطانیہ
 سالانہ رقم ٹیکس کے معاوضہ میں کل انڈیا ریوے ہندوستانیوں کو دیر سے
 بیش قرار رقم لیکر صرف ہندوستان ہی ہندوستانیوں کے حوالے کر دے
 یا انڈیا بھر کے سالانہ مالگذا ری کے بالعوض انگلستان کے تمام تجارتی جنگی کارخانے
 اور جنگی و تجارتی جہاز و خردخت کر ڈالے یا کچھ رقم معین کر کے انگلستان کو
 ٹیکس پر دیر سے تو ایسے معاملات کو جائز تسلیم کرنے میں حقیقتہً علماء ہند کو
 کوئی تامل نہیں۔ اور نہ اُنکی عبارت سے ایسے معاملات کی ممنوعیت ثابت
 ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ معاملات بھی جائز ہیں جنکے ذریعہ اسلامی یا مسلمانوں
 کی ضروریات پوری ہوتی ہیں جیسے ریل و سلسلہ ڈاک و تار کہ ان چیزوں
 سے مقاطعہ کرنا خود تحریک ترک موالات کا خاتمہ کر دینا ہے جسکی تبلیغ
 بحالت موجودہ ایک اسلامی فرض ہے۔

ترک موالات کا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ اسلامی فرائض یا
 اسلامی ضروریات میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کی جائے۔ بلکہ اُس سے
 مقصود صرف یہ ہے کہ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم دشمنان اسلام کی غلامی
 کا جو مسلمانوں کی گردن سے ضرور اُتار دیا جائے۔ اسکے لئے ہر ممکن ذریعہ
 کو کام میں لانے سے دریغ نہ کریں گے اور اُس تعلق یا معاملہ سے قطعاً تشریز
 کریں گے جس سے دشمن اسلام کو تقویت اور نصرت پہونچنے کا اندیشہ
 یا توہم ہو۔ یہ وہ زبردست حقیقت ہے کہ بالآخر مخالف حضرات کی عبارت
 ہی اُسکا اعتراف کر رہی ہے گو اُنکی نیت اسکے مصادم ہو۔ تمام معاملات
 کی نہ علماء کرام اجازت دیتے ہیں نہ مخالف طائفہ۔ رہے وہ معاملات

جسین جریف اسلام کی نصرت و اعانت نہواں جو بطرح مخالف طائفہ ماننا ہے۔
 اسی طرح علماء کرام ہی۔ پھر وہ کیا فرق ہے جسکی بنیاد جمہور علماء کرام کے ساتھ جو حکماء و اہل
 کی بنیاد قائم کی گئی اور وہ کونسا خفی و باطنی سبب ہے جسنے دشمن اسلام کو ٹنٹ کے
 ساتھ مقابلے کے بجائے جمہور علماء و امت محمدیہ کی مخالفت پر ان حضرات کو
 ابھارا۔ اور وہ کیا اندرونی راز ہے جو حقیقی موافقت کے باوجود ان حضرات
 کو ظاہری اختلاف پرائل کر رہا ہے۔ کیا معاملات کو صرف علماء کرام ہی نے
 متعین کیا ہے اور آپ نے بغیر قیود کے ظاہر فرمایا ہے یا علماء کرام نے بغیر کسی قیود
 کے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور آپ نے قیود و اضافہ کئے۔ اگر ایسا ہوتا تو صبر آجاتا کہ
 قریقین میں معنوی و حقیقی اختلاف ہے اور ہر ایک سختی کے ساتھ اپنے اصول
 کا پابند ہے۔

ستم تو یہ ہے کہ جو علماء کرام فرماتے ہیں وہی یہ کہہ رہے ہیں لیکن اس
 روش سے کہتے ہیں کہ عوام کی نظر میں انکی شاہراہ جمہور کی شاہراہ سے علیحدہ معلوم
 ہو۔ یعنی دلیل میں دونوں متحد لیکن نتیجہ میں دونوں کے اختلاف ہے
 برفت عقل و حیرت کہ اس چہ بوجہی است

مجتہد صاحب بریلوی بغیر قیود کی حکمرانیوں کے ایک قدم نہیں چلتے
 ملاحظہ ہو بریلوی فتویٰ کی یہ عبارت ”دنیوی معاملات جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوائے
 مثل و بابیر و یونہد یہ و امثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں“ اسکی چند سطر بعد شاد
 ہے۔ ”اسکا (کافر و ذی کا) نوکر کہتا جسین اسلام پر اسکا استعلا نہ ہو“ اس عبارت نے تمام
 سرکاری ملازمتوں کی بنیاد اکھاڑ پھینکی۔ کیونکہ آجکل ملازمت غلامی کی
 بدترین مثال ہے۔ مجتہد بریلوی کی مرثیہ خوانی کیلئے یہی کیا کم ہے۔

مسئلہ الحاق مدارس و اخذ امداد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ”وہ الحاق و اخذ امداد

اگر نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے شرط نہ اسکی طرف منہ کرے تو اس کے جواز میں کلام نہیں در نہ ضرورتاً جائز و حرام ہوگا۔ مگر عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب ہوگا نہ بر سبب تحریم مطلق معاملات جسکے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں ہے۔

قدم قدم پر آپ کے شروط و قیود کی بہار دیکھئے۔ یہ معاملات کی بندش میں روک تھام نہیں تو کیا ہے۔ اگر علماء و کرام نے ہی بحالت موجودہ بعض معاملات کو حرام نصرت نصاریٰ ہوتی ہے نا جائز کیا تو کیا مبرا کیا۔ انہوں نے کب مطلق معاملات کو حرام و نا جائز قرار دیا جسکی نسبت آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اسکی شرع میں کوئی اصل نہیں۔ انکا صرف ارشاد یہ ہے کہ نصرت کے تمام تعلقات و معاملات کہنے حرام ہیں (کیا لفظ نصرت) آپکی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اگر یہی ہے تو پھر آپ کے لئے جواب کا دوسرا طریق اختیار کرنا چاہئے وہ یہ کہ آپ قسم کے تعلقات و معاملات و دشمنان اسلام کے ساتھ جائز مانتے ہیں حتی کہ وہ معاملات ہی آپ کے نزدیک جائز ہیں جنکی رو سے اسلام کی اہانت اور جنگ میں دشمنان اسلام اعانت ہوتی ہے اب آپ کو یہ حق نہیں کہ اپنی بڑ بڑائی ہوئی قیود کی طرف کریں جبکہ علماء کرام کی قید سے آپ اغماض کر گئے مطلق عدم جواز معاملات کا الزام اگر آپ علماء کرام کو دینگے تو کوئی وجہ نہیں کہ مطلقا تعلقات و معاملات کا جواز آپکی طرف منسوب نہ کیا جاوے۔ اسکا چارہ کار بجز اسکے کچھ نہیں کہ قیود کو نظر انداز کیا جاوے۔ اس صورت میں بجز اس قباحت کے کہ آپکا الزام غلط ثابت ہو گیا کوئی قباحت نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب ناقابل انکار حقیقت کے اعتراف کر نیکی کسی وجہ سے دل چاہتا ہے تو اس کے منہ کر نیکی کو شش کی جاتی ہے۔ یا ایسے پہلو نکالے جاتے ہیں جس سے حقیقت کے روشن چہرہ پر نقاب پڑ جائے۔ مجتہد صاحب کی پوری مولوی صاحب کی

اپنی پوری قوت صرف کر کے بعد ہی نصرت کے تعلقات و معاملات کو جب جائز نہ بنا سکے تو مجبوراً دونوں صاحبوں کو ناجائز الزام دینے کی ضرورت پیش آئی کہ ہجرات کے مقابلہ مشکل تھا۔ اقول الذکر کی تو سن چکے اب فاضل تہا نوئی صاحب کی یہی سنتے ارشاد فرماتے ہیں کہ "مترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز ہے دونوں کو ایک سمجھنا سخت غلطی ہے۔" نہ معلوم کس نے ایک سمجھا ہے جس کے ابطال کی ضرورت پیش آئی۔ یا بیشیے بیہائے آپکے دماغ میں ایک بات آئی اور اسکا رد لکھنا شروع کر دیا۔ یوں ہے تو اختراع کرتے جائے اور روکتے جائے کوئی آپکے ہوں یہی نکر لگیا۔ علماء کرام واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض وہ معاملات و تعلقات جو موالات کے تحت ہیں اور جن کے قایم و برقرار رکھنے سے دشمن اسلام کو تائید و نصرت ہوتی ہے وہ قابل ترک ہیں۔ کجا یہ بات اور کجا یہ کہ ترک موالات ترک تعلقات شخصی و احد ہیں۔ سبحان اللہ۔

اس بحث کے اس نتیجہ تک ضرور پہنچا دیا کہ نفس معاملات کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔ اسی پر تعلقات کو قیاس کیجئے۔ یعنی اگر گورنمنٹ برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ مساویانہ تعلقات کی آمادگی ظاہر کرے تو ایسا کون منکر ہندوستانی ہے جو اسکو تسلیم و قبول نہ کرے۔ علماء کرام ہی اسکو ناجائز قرار نہیں دیتے۔ البتہ اب وہ ایسے تعلقات کو کسی طرح جائز نہیں رکھ سکے جنکی رو سے گورنمنٹ برطانیہ ہمیشہ کیلئے آقا قرار پائے اور ہندوستانیوں کی گروں میں غلامی کا طوق پڑ جائے۔ جب یہ گورنمنٹ نہ ہی حیات کو نہیں لگا چکی اور اسلام کو اسکے وطن سے اخراج پر کمر بستہ ہو چکی اور قصر خلافت کے انہدام کرنے میں نمایاں حصہ لے چکی نہ ہی معاملات میں مداخلت کرنے پر آمادہ ہو گئی تو ایسی گورنمنٹ کے ساتھ نیاز مندانہ و غلامانہ

تعلقات کو وہی شخص جائز بنا سکتا ہے جو مذہبی غیرت و حمیت نہیں رکھتا
یا حکومت کے جاہ و جلال سے اس قدر مرعوب و متاثر ہے کہ جو دل میں ہے
وہ زبان پر نہیں لا سکتا۔ درحقیقت ایسے لوگوں کے لئے غلامی ہی مگر اور
ہے جبکہ وہ غلامی کی حد سے نکل کر عبودیت کی حد میں آگئے۔ اور حکومت کو
آقا کے بجائے اپنا خدا تسلیم کرتے گئے ایسے حضرات قطعاً ہماری بحث سے
خارج ہیں۔ ہمارا خطاب صرف ان حضرات سے ہے جو ہر قسم کے تعلقات
جائز نہ کہنے پر ہی ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہم میں انہیں بجز اسکے کوئی حد
فاصل نہیں کہ ہم نے بعض ناجائز تعلقات کی تعیین کر دی اور وہ تعیین نہیں کرتے
ورنہ بعض معاملات کو وہ بھی ناجائز تسلیم کرتے ہیں اور تمام معاملات کے عدم
جواز کا ہم ہی فتویٰ نہیں دیتے۔ قارئین کرام کو حیرانی ہوگی کہ جب اصولاً دونوں
فریق متحد ہیں تو پھر یہ چہرہ چہاں کیسی۔ اور اصول تسلیم کرتے ہوئے فروع میں
نزاع کیا۔ حقائق ہی تحریر اس حیرت کا اسطرح خاتمہ کرتی ہے۔
میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز ہے
اگر یہ دونوں ایک مان لئے جاویں تو لازم آوے گا کہ فاسق فاجر اور مبتدع مسلمانوں سے بھی
بیع و شراء اور لین دین وغیرہ ناجائز ہو جاویں۔

لیجئے فاضل تہانوی نے اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ وہ یہ کہ گورنمنٹ
برطانیہ کو تجارتی نفع پہونچانے سے کیونکر دریغ کیا جا رہا ہے اور اگر گورنمنٹ
سے تجارتی مقاطعہ کرتے ہو تو پھر فاسق مسلمانوں سے بھی کر دیا فاضل
بریلوی ہی اسی بات سے نفل و رآتش میں حق کی ہیبت کی وجہ سے
وہ اتنے تو نہیں کہلے جس قدر کہ اُنکے حریف فاضل تہانوی صاحب
کہل پڑے لیکن اشارہ کنایہ میں سب کچھ وہ کہہ گئے۔ جو فاضل تہانوی کا

مدعا ہے اور جسکو دیکھ کر عوام اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جسکی صراحت قاضل
تہانوی نے کر دی۔

بریلوی اشتہاری تحریر میں ہے ”جدید معاملت مثل نوکری وغیرہ مسلم سے
ہو یا کافر سے بشرطیکہ مرتد نہ ہو“ اس سے جو حرام ہے ہمیشہ سے حرام تھی اور جو حلال ہے اب
حلال ہے حلال کا فعل فی نفسہ شرعاً داعب نہیں۔ مطلب یہ کہ گورنمنٹ کیساتھ
تجارتی تعلقات اب بھی جائز ہیں کیونکہ پہلے ہی جائز تھے اور جو چیز ایکبار جائز
ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ جائز رہتی ہے۔ حرام لغیرہ کی بحث کو نظر انداز اس
وجہ سے کیا گیا تاکہ حق پوشی کا مستحکم قلعہ کہیں منہدم نہ ہو جائے۔

قاضل تہانوی بھی اسی اصول کو کام میں لائے ہیں جو بریلوی اشتہاری
تحریر میں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ”مسئلہ موالات میں ان چیزوں کو جو وہ فی نفسہ مباح
ہوں داخل کر کے حرام کہنا کسی طرح صحیح نہیں“ مطلب یہ کہ تجارتی تعلق خواہ وہ کسی
سے ہو جبکہ فی نفسہ مباح ہے تو وہ حرام نہیں ہو سکتا۔ اب ان حضرات
سے کوئی پوچھے کہ جب تجارتی تعلقات آپ کے نزدیک جائز تھے تو استقدر
بیچ و بیع عبارتوں میں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے ترک موالات
اور ترک تعلقات کے فرق پر زور دیا۔ ثانیاً علماء کرام پر یہ الزام قائم
کیا کہ وہ مطلقاً موالات کو حرام کہتے ہیں۔ انکو چاہئے تھا کہ صاف لفظوں
میں اسکا اظہار کر دیتے کہ ہمکو علماء کرام کی اس تجویز سے کہ ”دشمنان دین کو
نفع نہ پہنچانا“ اتفاق نہیں۔ بات ختم ہو جاتی اور استقدر طومار کھینے کی نہ
آئیں ضرورت پیش آتی نہ ہمسکو۔

لیکن اس صورت میں حق واضح ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ اور اوپر یہ خوف
دامنگیر کہ ایسے صریح باطل قول کو علماء تو علماء عوام تک نہکرا دیں گے اسوجہ سے

متعدد و بے سرو پا الزامات اور جمل فقہی اصول و فطری بحث کے خلاف و در خلافت میں
اپنا کمون قاطعاً ہر کیا گیا۔ بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ اختلاف صرف اس میں ہو کہ علیہ السلام
و دشمن اسلام گورنمنٹ کو تجارتی فائدہ پہنچانا گناہ عظیم جانتے ہیں اور اسی وجہ سے اس کی
حرمت پر فتویٰ دینے میں آنکھوں میں نہاں تھا۔ اور یہ دونوں بزرگوار اس میں کوئی فیصلہ نہیں
نہیں دیکھتے غالباً اس وجہ سے کہ انگریزوں کے ساتھ بیع و شراعت وین میں ان کے
قوانین کوئی ہرج نہیں صرف اسلام کو ضرر پہنچتا ہے۔ اُس سے چند ان بحث میں
یا شاید یہ بات ہو کہ ان حضرات نے تجارتی تعلق کو اسلام کے حق میں مضرت نہیں
سمجھا ہے۔ پہلی صورت میں تمام گفتگو کا خاتمہ انکی نیت و عقیدہ پر ہو جاتا ہے۔
ایسی صورت میں سوائے لکم و ینکم ولی دین کے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔
دوسری صورت البتہ قابل الحاظ ہے۔ اسکے متعلق دونوں بزرگواروں سے
استفسار گذارش ہے کہ آج کل تمام یورپین سلطنتیں تجارتی اصول پر قائم ہیں اور
انکو غریغ محض تجارت کی وجہ سے ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ نے تجارت کی بدولت
ہندوستان میں اپنے قدم جمائے۔ قدیم زمانہ میں حکومت کے مقابلہ میں
تجارت کوئی چیز نہ تھی۔ لیکن آج حکومت کو اگر تجارت سے علیحدہ کر لیا جائے
تو وہ ایک جسد بے روح کی طرح رہ جائیگی خصوصاً اہل یورپ کہ انکی زندگی
بھی بدون تجارت مشکل ہے حکومت بجائے خود رہی۔ وہ اپنی حیرت انگیز
ایجاوات و اختراعات کی بدولت تقریباً تمام کرہ ارض پر چھائے ہوئے اور
یورپ چھوڑا دنیا تک پر حکومت کر رہے ہیں۔ ورنہ سر زمین یورپ
وہ سنگلاخ و ریگستانی زمین ہے جہاں نہ سوائے چالو کوئی غلہ پیدا
ہوتا ہے نہ مختلف اقسام کے پھل اور میوے۔ ایسے ملک میں اگر ہندوستان
یا ایشیا کے دیگر علاقوں سے غلہ و سامان رسد نہ جائے تو انکو دن میں تباہ

افکر آجائیں۔ اسوجہ سے انہوں نے ہندوستان کے ساتھ تجارتی تعلیق
کی سطح بنیاد ڈالی کہ خام سامان ازراں خرید کر ہندوستان سے
بدل کر نہایت گران قیمت پر یہاں فروخت کرویں
مگر اندرائی صورت بد لکر نہایت گران قیمت پر یہاں فروخت کرویں
کے نتیجے سے ہندوستانی غلہ کے بیشمار انبار انگلستان کے ہینٹ چڑھائیں
جس انداز ہو اور ضرور ہے کہ بہت اخراج کے ساتھ ہندوستان انداز ہو وہ انکی
ضرورت و مصارت جنگ وغیرہ میں کام آتا ہے جس سے سلطنت
دور دور مستحکم ہوتی جاتی ہے۔ یہ باتیں پہلے زمانہ میں کہاں تھیں۔ ان امور کا
جاننا کرتے ہوئے ایسی حالت میں جبکہ موجودہ حکومت اسلام کے استیصال
پر کمر بستہ ہو چکی ہے خیر خواہان ملک علماء کرام نے اس چیز کا سد باب کرنا چاہا جو
موجودہ حکومت کو مضبوط کر رہی ہے۔ اور وہ تجارت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں
جس پر ہے تو ہم کو زیادہ دوسری کی ضرورت نہیں خود بریلوی فتویٰ کی
عبارت علماء کرام کی تائید میں پیش قدمی کر رہی ہے کہ "بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں
اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہوئے" فرمائے ایسی دشمن اسلام کو رنٹ کے باعث
جو تخت خلافت الٹ رہی ہے۔ غلہ و سامان رسد فروخت کرنا اعانت حرب
یا اہانت اسلام ہے یا نہیں۔ اور اس کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم رکھنا اسکی
نصرت و امداد ہے یا نہیں۔ اگر یہ نصرت و امداد ہے تو الحمد للہ آپ ہی حضرت
کے فتاویٰ سے مدعا محی علماء کرام پورا ہو گیا۔ اور آپ کی تہام جدوجہد کا کار
گئی ہو۔

جاء الحق وزهق الباطل حق آیا اور باطل رخصت ہوا۔ بیشک
ان الباطل کان زهوقا۔ باطل رخصت ہو سکی ہی چیز ہے۔
فاضل تہانوی موجودہ حالت کو پہلے زمانہ کے حالات پر قیاس

فرما کر تجا رتی لین دین کیلئے حکم جواز لگا رہے ہیں۔ اسباب اسکے میں متعدد و نظائر
 عہد اقدس کے پیش کئے ہیں کہ دیکھو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں یہودی
 سے لین دین کی اور فلاں نے فلاں سے اسوجہ سے اب یہی حکم ہونا چاہیو
 اور اسپر انکو سخت حیرت و تعجب ہو کہ اگر ترک موالات کا یہی مقتضا ہے تو پھر
 ہندوؤں اور فاسق مسلمانوں سے یہی تعلقات لین دین وغیرہ حرام ہونا
 چاہئے۔ پھر اپنے بیان کو زور دار بنانہ کی خاطر خود بخود ایک شبہ وارد فرما کر شائد اس
 جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ کفار مکہ کے ساتھ ترک تعلقات
 واجب نہ تھا اور دوسرے کفار کے ساتھ واجب تو اسکو اس فرق کی
 وجہ بیان کرنی چاہئے۔ کفار مکہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے مسلمانوں کو
 روکتے تھے۔ اسلام لانے پر مسلمانوں کو ایذا میں سخت سخت دیتے تھے۔
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت بے انتہا کرتے تھے آپ کی شان میں
 یہودہ کلمات استعمال کرتے تھے۔ قرآن کیساتھ بے ادبی اور تمسخر کرتے
 تھے ان سب باتوں کے باوجود یہی مسلمانوں کو ان کے ساتھ ترک تعلقات کا
 حکم ہوا تو جو حکومت مسلمانوں کو ان کے مذہبی شعائر میں پوری آزادی
 دیتی ہے۔ ان کے جان و مال و آبرو کی محافظ ہے۔ قرآن اور رسول کی
 بے حرشی کو قانوناً جرم قرار دیتی ہے۔ بیت اللہ و بیت الرسول کی زیارت
 سے نہیں روکتی اس کے ساتھ ترک تعلقات کیسے واجب ہو سکتا ہو“

گورنمنٹ برطانیہ کی جو کچھ مولوی صاحب نے مدح سرائی کی اسکے
 متعلق تو ہم کچھ نہیں کہتے دنیا کا قاعدہ ہے جسکو جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے
 وہ اسکا ہی ذکر فرمایا کرتا ہو۔ بحکم من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔ لیکن سوال یہ ہے

کہ عہدِ قدس کے جن تعلقات و معاملات کا مولوی صاحب نے ذکر فرمایا ہے ان سے دشمنانِ دین کی نصرت و تائید ہوتی تھی۔ کیا ان معاملات کے ذریعہ مسلمانوں سے بڑھکر انکو کوئی نفع پہنچتا تھا.....

..... یا وہ اس تجارتی منافع کو موجودہ حکومت کی طرح مصارفِ جنگ میں لگاتے تھے۔ اسکا جواب اثبات میں دینے کیلئے علاوہ ناواقف کے کسی قدر شلوغِ چشمی کی بھی ضرورت ہے جس سے جناب مولوی صاحب جیسے مقدس شخص کا دامن پاک ہونا چاہئے۔ لیکن اگر وہ ہمت و جرأت کر کے اثبات میں جواب دینے کیلئے تیار ہو جائیں تو خود وہ عبارت انکو الزام دیدیگی جو صفحہ ۱۱ میں انکے قلم سے نکل گئی کہ ”البتہ فتنہ کے زمانہ میں اہل فتنہ کے ہاتھ بیعِ سلاح سے فقہاء نے منع فرمایا ہے کیوں منع فرمایا ہے اسبوجہ سے تاکہ اس معاملہ سے اہل حرب کی عانت ہوتی ہے۔“

یہاں مولوی صاحب کا وہ قاعدہ ہی رخصت ہوا کہ ”جو چیزیں فی نفسہ مباح ہوں انکا حرام کہنا صحیح نہیں۔“ دیکھئے ہتیار فروش فی نفسہ جائز امر ہے لیکن فتنہ کے زمانہ میں وہی امر جائز ناجائز ہو گیا۔ مولوی صاحب کو یہ پورا اختیار ہے کہ وہ کسی کی نہ منیں۔ لیکن اُس عبارت کو نہیں بدل سکتے جو ہمارے مفید مطلب انکے قلم سے نکل گئی ہے۔ البتہ یہ بہت ممکن ہے کہ وہ رجوع الی الحق کا حیلہ کر کے اپنی تحریر سے پھر جائیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اب یہی انکی کل و خلاصی مشکل نظر آتی ہے۔ کیونکہ اب مولوی صاحب کے ذمہ یہ فرض عائد ہوگا کہ وہ عہدِ قدس کے تعلقات و معاملات کو نصرت کے تعلقات و معاملات ثابت کریں ورنہ نفسِ معاملت کفار کی کوئی سند یا نظیر پیش کر دینے سے کیا عقد کشائی ہو سکتی ہے۔ جبکہ خود علمائے کرام بھی اُسکے مجوز ہیں۔ اُسکے لئے استقدور و دوسری دلواریاں لکھنے کی

کیا ضرورت تھی۔ کاش مولوی صاحب براہ راست علماء کرام ہی سے دریافت فرمالتے تو نہایت آسانی سے عقدہ حاصل ہو گیا ہوتا اور استفادہ رحمت بر داشت کرتا نہ پڑتی۔ اور سچ پوچھو تو اس استفسار ہی کی سرے سے ضرورت نہ تھی جبکہ علماء کرام نے قید (نصرت) کا اضافہ فرما دیا تھا اور اس قید کی رو سے نفس معاملت کفار کے جواز کی طرف اشارہ فرما دیا تھا۔

اس پر ہی فاضل تھانوی اپنی غلطی کا اعتراف نہ فرما دیں اور یہ شبہ بصورت دلیل پیش فرمائیں کہ معاملت کفار کا جب ثبوت دیدہ یا گیا تو اُس میں ہر قسم کے معاملات آگئے خواہ اُس میں دشمن اسلام کو تقویت و نصرت ہو یا نہ ہو۔ اور پھر خواہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو پس ڈالیں۔ یا اسلام کو بیچ و بزن سے الگا کرنے کا تہیہ کر لیں لیکن اُنکے ساتھ کوئی معاملہ کسی حالت میں ناجائز نہ ہو گا گو کہ ترک معاملت کفار اسلام و مسلمانوں کو مفید ہی کہیں نہ ہو ایسی صورت میں فاضل تھانوی تو مرفوع القلم ہو جائیں گے۔ لیکن اُنکی مسلمہ مقصد ترک موالات پھر عقلاً کی طرح وہ چیز ہو گی جس کا نشان ہستی بخیر فاضل تھانوی کے دماغ کے کہیں نہ ملے گا۔ اور موجود ہونے کی صورت میں اسکی ہستی اُسکی نیستی کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کرے گی فاضل تھانوی کا تو اب یہی کچھ کہیں بگڑتا لیکن ایک حکم اسلامی کی ضرورت تو یہ ہوتی ہے کیونکہ کفار خصوصاً دشمنان اسلام سے موالات ترک کرنا ایک اسلامی حکم ہے کہ جسکو ضرورت نتیجہ خیز ہونا چاہئے۔۔۔ فاضل تھانوی کے مسلک پر یہ محض ایک بے نتیجہ چیز ہے جسکا حاصل بخیر اسکے کچھ نہیں کہ دشمنان اسلام کی محبت کو دین کے نذر دے۔ باقی تمام تعلقات و روابط اُنکے ساتھ جائز ہیں خواہ اُن تعلقات کی بدولت اُنکو تقویت اور مسلمانوں کو ہلاکت ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارا ترک موالات کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایک نتیجہ خیز اسلام کی حکمرانی
 جب کسی دشمن اسلام کے ساتھ موالات کے ترک کا حکم دیا گیا تو اس کا یہ مقصد ہوتا
 چاہئے کہ اگر کسی وجہ سے اس کو مفہور وزیر ملین کر سکنے کی قوت نہ ہو تو کم از کم وہیں
 ضرورتاً انتقام موجود ہو اور تا بجز اسکا دشمن اسلام کی مظلومیت و مفہوریت
 کے وسائل ہم پہنچائے جاویں اور ہر ممکن ذریعہ سے اسلام کو تقویت دینے
 اور اسکی نصرت میں کوتاہی نہ کی جائے اور ہر ایک معاملات میں اس امر کا پورا لحاظ
 رکھا جائے کہ کہیں اس کے ذریعہ دشمن اسلام کو تقویت و نصرت تو نہیں پہنچتی
 ہے۔ اگر ایسا نکلیا جائے تو پھر موالات کفار کا ترک محض بے سود اور ایک بے
 اثر چیز ہے جس کے لئے کثرت سے آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ وارد ہوئی ہیں
 ضرورت نہیں جبکہ وہ اسلام کے حق میں کسی طرح مفید نہیں۔ اسلام معاملت
 کفار کو ضرور جائز رکھتا ہے لیکن اندا و ہند ہر معاملہ کا اختیار ہی نہیں دیتا اور
 ایک مکمل قانون الہی کیلئے یہی شایان شان ہے۔ اس پختہ اصول کی رو سے
 قدرتی طور پر تعلقات و معاملات کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔ اول وہ معاملہ جس
 کے ذریعہ اسلام کے ضروریات اور فرائض پورے ہوتے ہیں گو اس میں کسی قدر
 کفار کا بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ دوم وہ معاملت کفار یا تعلق جنکی رو سے اسلام
 کو تقویت پہنچنے یا کم از کم وہ اسلام کے حق میں نہ مفید ہو نہ مضر۔ سوم وہ معاملہ
 جو رابطہ ہیں جو اسلام کے حق میں مضر یا موجب اہانت ہیں اور کفار کے لئے مفید یا
 باعث اعزاز و عقل کے ساتھ اسلام ہی اسکا فتویٰ دیتا ہے کہ آخر الذکر بالکل
 ناجائز و حرام اور دواول الذکر جائز ہیں بلکہ بعض خاص حالات میں ان تعلقات کا
 قایم رکھنا ضروری ہے۔ فاضل تھانوی نے عہد اقدس کی جو نظائر پیش کی
 ہیں وہ تاثر پہلی یا دوسری قسم میں داخل ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں فاضل

کھانوسی کی معصومیت ملاحظہ ہو کہ وہ مقاطعہ قریش کو اپنی سند میں
پیش کر بیٹھے کہ جس نے بالکل انکار از فاش کر دیا کہ عہد اقدس کے معاملات ضرورت
کی بنا پر تھے۔ اسوقت مسلمانوں کو ضرورت تھی کہ قریش کیساتھ لین دین
کریں کیونکہ مسلمان بغایت قلیل تھے اور مشکل انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے یہی
تو وہ وجہ تھی کہ قریش نے مسلمانوں کی ایذا دہی کے لئے ان سے مقاطعہ کیا۔
بجلا اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خوش ہوتے اور ان کے حربہ کو اپنے
پر چلائینکی کس طرح اجازت عطا فرماتے۔

اسوقت اسلام کے حق میں معاملت کفار مفید تھی جسکی اجازت نہ گئی
آج بعض معاملات کا ترک مفید ہے اسوجہ سے اسکی طرف ہدایت کی جاتی
ہے۔ مقصود تحفظ و تسلط اسلام ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو۔ جو
صورت جس زمانہ کے مطابق مفید اسلام ہوگی وہی اختیار کیا جائیگی۔ جسکی
اجازت یوں ہے طور سے اسلام نے ہمکو دی ہے۔ دیکھئے اسلام کو
جب خود ضرورت مقاطعہ کی پیش آئی تو اسکی بھی اجازت دیدی گئی
چنانچہ شمس اللائمہ شمسی اپنی کتاب مبسوط ابواب السیر میں ثامہ
بن اثال خفی کا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں کہ :-

مری ان ثامہ بن اثال الخنفی	اہل یامہ کے سردار ثامہ بن اثال خنفی کا
سید اہل الیمامۃ اسیرہ اصحاب	واقعہ اس طرح مردی ہے کہ انکو اصحاب رسول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفتار کر کے مسجد
وسلم ورجوہ بسارینہ المسجل	(بنو ی) کے (ایک) ستون کے ساتھ باندھ
فخرج رسول اللہ صلی اللہ	دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (حبیب
علیہ وسلم وقال افرأیک یا ثامہ	ثامہ کے پاس) تشریف لائے تو ارشاد فرمایا

فقال ان عاقبت عاقبت
ذا ذنب وان صنتت صنتت
على شاكرو ان ارحمت للمال
فعدى من المال فاشئت
فمن عليه رسول الله صلى الله
عليه وسلم بشر طابن يقطع
الميرة عن اهل مكة ففعل
ذلك حتى قحطوا به -

کہ سب سے تمامہ کن حال میں ہو۔ تمامہ نے
جواب دیا کہ اگر آپ مجھ کو سزا دیں تو ایک
جرم کو سزا دیں گے اور اگر مجھ پر احسان کریں تو
بہ احسان ایک شکر گزار پر ہو گا۔ اور اگر مال
کا ارادہ کریں تو حسب قدر مال چاہیں مجھ سے
لیں۔ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان تین صورتوں میں سے ایک صورت
اختیار کی اور وہ یہ کہ) تمامہ پر احسان کیا لیکن
اس شرط سے کہ اہل مکہ (کفار قریش) کا غلبہ بند
کر دیے۔ چنانچہ تمامہ نے ایسا ہی کیا
حتیٰ کہ قریش قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔

دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مقابلعت (باہر کاٹ)
کا حکم فرما رہے ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ اسوقت دشمن کے زیر کریشکے
لئے مقابلعت مفید تھی چنانچہ اسکا حکم دیا گیا اور قبل ہجرت مسلمانوں کی
انتہائی قلت کے زمانہ میں یہی مقابلعت کفار کے حق میں سودمند اور
مسلمانوں کیلئے مضر تھی اسوجہ سے ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا۔ اسی وجہ سے
کہ جب قریش قحط سے مجبور و نالاں ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں فریاد رسی کے خواہاں ہوئے اور نہایت عاجزی اور زاری
کے ساتھ التجا کی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی درخواست منظور
فرما کر تمامہ کو تحریر فرمادیا کہ اب غلبہ بند نہ کیا جائے یہ پچھلا واقعہ حسب بیان
فاضل تھانوی۔ سیرۃ ابن ہشام میں مذکور ہے۔ لیکن فاضل تھانوی

یہ معلوم کس مصلحت سے اس واقعہ کے پہلے حصہ کو حذف کر گئے۔ بہت
 ممکن ہے کہ مسووط شمس الائمہ ہر کسی کی اس عبارت پر انکی نظر نہ پونجی ہو
 فاضل تھانوی نے اس واقعہ کے پہلے حصہ کو نقل کر کے یہ نتیجہ اخذ
 کیا تھا کہ دیکھو غلبہ کی صورت میں بھی تجارتی تعلقات قائم رکھے گئے ہیں
 کہتے ہیں کہ اگر انگریز کفار قریش کی طرح مجبور ہو کر دوسری چاہیں گے جس طرح
 کفار قریش نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد
 کی تھی تو ہم بھی اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے
 ہوئے انگریزوں سے تجارتی تعلقات قائم کر لیں گے۔ اس وقت تو ہم بھی
 کریم کے جو پہلی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ
 کیا۔ اور جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعت کے
 ہتھیار سے قریش کو مغلوب کیا ہم بھی حضور کی اتباع میں دشمن کے
 مقابلے میں مقاطعت کا ہتھیار لیکر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ منع
 کرنے والے کون۔

فاضل تھانوی نے غلبہ و مغلوبیت دونوں حالتوں میں
 معاملت کفار کے متعلق مختلف نظائر و اسناد پیش کر کے یہ نتیجہ
 نکالا ہے کہ مذکورہ کی ملازمت اور بیع و شراء اور لین دین کے تعلقات ہر حالت میں
 درست ہیں مغلوبیت میں بھی اور غلبہ کی صورت میں بھی۔ لیکن انکو معلوم ہوتا چاہیے
 کہ ایک تیسری صورت بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ دشمن اسلام کو زیر کر لئے
 اور اسکی قوت کو منتشر و پر لگندہ کر نیکی غرض سے ترک معاملت کی بنیاد
 ڈالی جائے۔ کما حقہ کے واقعہ کا پہلا حصہ اسی صورت میں داخل ہے۔
 فاضل تھانوی نے دو... صورتیں ذکر کیں۔ لیکن تیسری صورت

خوف ہی میں اُنکا فائدہ تھا اس وجہ سے خوف کر گئے۔ اگر غور کیا جائے
تو ان نصوص شرعیہ کے علاوہ خود عقل کا یہی یہی اقتضا ہے کہ دشمن کے
ساتھ تعلقات میں احتیاط برتی جائے اور عیسایا موقع پیش آئے ویسا ہی
اُسکے ساتھ سلوک کیا جائے۔ جب وہ مغلوب عاجز ہو کر ہمارے سامنے
اپنی کوئی التجا پیش کرے تو اُسکو منظور کر لیا جائے بشرطیکہ اپنا کوئی ضرر
نہو اُسکے غلبہ کی حالت میں جبکہ ترکیہ معاملت اپنے حق میں ضرر ہو تو کسی
نہ کسی صورت سے معاملات کی بنیاد و والدینے میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔
لیکن جس صورت میں بجز ترک معاملات کوئی چارہ کار نہ ہو یا دشمن کے
زیر کرنے میں اُسکو بھی دخل ہو تو پھر مثل و گیر متبیاروں کے اس متبیار کا
یہی استعمال جائز ہے۔ خدا کے برتر کی شان یہ کہ عہد اقدس میں تینوں
صورتیں واقع ہو گئیں اور ہر صورت کے مناسب جو حکم ہوتا چاہئے تھا
دوبارہ مذکور ہوئی۔ صاوری سے صادر ہو چکا۔ دین اسلام ایک ایسا مکمل قانون ہے
جسکو دنیا میں قیامت تک باقی رہنا ہے۔ ایسے دین کے لئے ضرورت ہا کہ
مختلف زمانوں میں مختلف حالات سے اوسکو سابقہ پڑتا۔ اور ہر حالت
کے احکام اسی حالت کے مناسب ہوتے اسوجہ سے خدا کے قیوم نے
ایسی جامع الکمالات ذات کو مبعوث فرمایا جسکے عہد اقدس میں وہ
تمام صورتیں ظہور پذیر ہو گئیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں عقل
تھا تو ہی اسی خیال میں ہیں کہ حالت موجودہ کی کوئی نظیر ہی عہد اقدس
میں نہیں ہے۔ جمہی تو انہوں نے یہ ارشاد فرما کر (کہ ہر حالت میں
معاملت کفار جائز ہے) سب وہاں بائیس پسری کی شکل سچ
کرد کہانی :-

فاضل تھانوی کی طرح فاضل بریلوی جادۂ اعتدال سے
 زیادہ نہ ہئے اور اس خیال سے کہ کہیں گرفت نہ ہو جائے موقع بموقع قبول
 ہر ایک کو انہوں نے فاضل تھانوی کی طرح مطلق العنان ہونیکو پسند فرمایا
 انکے زیر نظر ہی یہ تمام اسناد و نظائر تھے لیکن ساتھ اسکے یہ سمجھتے تھے کہ یہ
 تمام اسناد و نظائر یکساں ہیں اسوجہ سے انہوں نے الزام کی صورت میں (جو نظر
 عوام میں زیادہ وسیع ہو سکتی تھی) اظہار مدعا کو زیادہ مفید سمجھا چنانچہ بریلوی
 فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں: "نہ برنابر تحریم مطلق معاملات جسکے لئے شرع میں
 اصلاً اصل نہیں اور خود ان بالغین کا طرز عمل انکے کذب و غوی پر شاہد۔ ریل تار ڈاک سے
 تمتع کیا معاملات نہیں۔" فاضل بریلوی جانتے تھے کہ عہد اقدس میں کفار کے
 ساتھ معاملات یہی کئے گئے ہیں اور مقاطعت کی یہی صورت پیش آئی ہے
 اسوجہ انکو اسی میں صورت فلاح نظر آئی کہ علماء کو مطلق معاملات کفار
 کا عدم مجوز قرار و کیر الزام قایم کروینا چاہئے کہ ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملہ
 نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ معاملہ ہے لیکن یہ معاملات کی پہلی صورت میں
 داخل ہے جو جائز ہے۔ مطلق معاملات کے عدم جواز کا نہ علماء کرام نے
 فتویٰ دیا نہ انکے کلام میں اسکا اشارہ بلکہ اسکے خلاف پر انکی تصریح۔ البتہ
 علماء کرام ریل تار ڈاک و دیگر تجارتی تعلقات میں فرق کرنے کے ضرور
 مجرم ہیں۔ آپکا اشارہ یہ ہے کہ اگر علماء جائز کہتے ہیں تو سبکو جائز کہیں ورنہ بلا
 تخصیص سب ناجائز قرار دئے جائیں۔ اس موقع پر ہم اتنا ضرور عرض کرینگے
 کہ فاضل بریلوی اس خود ساختہ اصول کو خود ہی تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ
 پہلے گذر چکا۔ آپکا ارشاد ہے کہ: "بیچنا ہر چیز کا جسمن اعانت حسب یا اپانت اسلام
 نہی" کیا یہ تخصیص نہیں ہے یا آپ تخصیص کے دائرہ سے نکل کر فاضل

کھانویں بنا جاتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ جمہور کی آواز جمہوری کی آواز اور ان سے
 جو مخالفت پر کمر بستہ ہو گا وہ قدم قدم پر ٹھوکر میں کھانینگا۔ اسی وجہ سے
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہور کی موافقت پر زور دیا ہے۔
 جمہور علماء کرام کے فیصلہ کی خوبی دیکھتے کہ انہوں نے ریل تار لوٹک
 کے تمنع سے منع نہ فرمایا کہ ان چیزوں کے ذریعہ اسلامی ضروریات پوری
 ہو رہی ہیں اور فرائض اسلامی ادا ہو رہے ہیں۔ اُن معاملات سے
 بیشک ممانعت کا حکم جاری فرمایا کہ جو دشمن اسلام کو رنٹ لٹو لستہ
 مفید و ممانع ہیں کہ اسکی سلطنت کا استحکام ہی اُن کی بدولت ہے۔
 لیکن مسلمانوں کو اُن سے بجز آرائش مکان و زینت لباس کوئی نفع نہیں
 جیسے ولایتی پارچہ جات و دیگر اشیاء ولایتی کی خرید و فروخت ولین دین
 کہ اُس میں آرائش کے سوا کیا اسلام کو تقویت پہنچ رہی ہے۔ اور اُن
 فضول زینت و آرائش کے ترک کرنے میں وہ کیا مصیبت ہی جس سے
 اسلام و مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا ہو گا۔ اگر ایسے وقت میں جبکہ خلافت
 کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ اتنے ایشیاء کے لئے ہی مسلمان تیار نہ ہوئے کہ
 محض زیب و زینت کے ترک سے دشمن کی قوت کو پر اگندہ کر سکیں تو
 پھر کوئی بتائے کہ اسلام کے حق میں انکا وجود کس کام کا۔ ایک ہزار ماہ
 تھا کہ اسلام کیلئے جان مال و ابرو و اہل و عیال سب کچھ قربان کر دیا
 جاتا تھا۔ آج اسلام کی خاطر زینت و آرائش ہی ترک نہیں کی جاتی کہ
 جو اسلام کی ساوگی کے ہی منافی ہے۔ افسوس وائے بر حال ما۔

یہ تعلقات۔ اُنکے بارے میں یہی علماء کرام کا فیصلہ معتدل
 ہے کہ جو لوگ غریب مفادِ الحمال ہیں کہ سوائے ملازمت کے انکی ہر اوقات

شکل ہے وہ ملازمت ترک نہ کریں۔ لیکن اہل ثروت حضرات کہ جنکی گذر گئی
 کافی سرمایہ موجود ہے اُنکے لئے ملازمت گورنمنٹ کی نسبت مذہبی و قومی جذبات
 زیادہ موزوں ہیں۔ فرمائے اس میں بھی کیا ایسی دشواری ہے جسکی نسبت یہ
 لہا جاسکے کہ نہ دہری جائے نہ اٹھائی جائے۔ قاضی قحطانوی و
 بریلوی اسلام کے اس خفیف مطالبہ کا بھی خیر مقدم کرینگے لئے تیار نہیں
 آخر اسلام ہی کی بدولت آج دونوں کو یہ مرتبہ ملا کہ ایک مہاجر و المائے
 الحاضرہ کہلائے جاتے ہیں اور دوسرے حکیم الامتہ۔ اس نازک
 وقت میں سکمانوں کو دونوں بزرگواروں سے نہ معلوم کیا کیا توقعات
 تھیں۔ کیا اُنکی عقیدت کیشی واراوت کا بھی صلہ ہے کہ جو اُنکو دیا جا رہا
 ہے کہ سبکو منجدار میں چھوڑ کر خود گوشہ عافیت میں جا بیٹھے اتنا تو خیال
 کرتے کہ جب خدا نخواستہ اسلام بھی نہ رہا تو بریلوی صاحبِ حجاب
 قحطانوی صاحب کو مجبور و حکیم الامتہ تسلیم کرینو والا کون ہو گا۔

ترک موالات کا بعض معاملات پر اثر

خاتقاہی تحریر کی رو سے گو ترک موالات محض لے اشر و بیعتیہ
 چیز ہے جو قلوب سے نکل کر کہی میدان شہود میں نہ آئی۔۔۔۔۔ اور نہ
 آسکتی ہے۔ وہ ایک ایسی شے ہے جو صرف دل میں رہنے اور اپنے کے
 لئے بنائی گئی ہے۔ اُسکی وجہ سے نہ معاملات پر کوئی اثر پڑتا ہے نہ تعلق
 پر نہ اس سے کوئی جذبات مقام پیدا ہوتا ہے نہ احکام میں کسی قسم کی تبدیلی
 واقع ہوتی ہے۔ مباح بدستور مباح رہتا ہے اور حرام بدستور حرام۔

مراقبہ کی طرح اس سے مقصود صرف تنزیہ قلوب ہے اور بس۔ جبکہ انکار
حکیم الامتہ تھا تو ہی جیسے بزرگوار اپنے نور یا طین سے کر کے مناسب ہوا
وفاؤ کما تلقین فرماتے رہتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ترک موالات کا
یہ مفہوم کہ وہ صرف ایک قلبی کیفیت ہے عہد اقدس میں کسی نے نہ سمجھا۔
عہد اقدس میں جب موالات کے ترک کا حکم ہوا تھا تو اسکا اثر ضرور معاملات
پر پڑتا تھا اور تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر بعض معاملات کے رونما ہونے پر موالات
کفار کا حکم لگا دیا کرتے تھے۔ واقعہ ذیل سے یہ بات بخوبی فہم نشین
ہو سکتی ہے۔ جو تفسیر میں تحت آیت کریمہ (یا ایہا الذین
آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء) منقول ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے
کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ (کی خدمت میں) عرض
کیا کہ میرے پاس ایک نشی ہے نصرانی
(اسیر) حضرت عمر نے فرمایا (تجھے خدا
غارت کرے) مسلمان نشی کیوں نہیں
مقرر کیا۔ کیا تو نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد
نہیں سنا کہ (اے ایمان والو! یہود
ونصارے کو (اپنا) ولی اور مددگار
نہ بناؤ) (ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں
کہ) میں نے عرض کیا اسکا دین آپ کے

مردی عن ابی الاشعری لہ
قال قلت لعمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ ان لی کاتباً
نصرانیاً فقال مالک قال تلک
اللہ لا تحذت حنیفاً
اذا سمعت قول اللہ تعالیٰ
یا ایہا الذین آمنوا لا
تتخذوا الیہود والنصاریٰ
اولیاء قلت لہ دینہ
ولی کتابتہ فقال لا
اکرمہوا اذا۔

اٰهٰنم اللہ ولا یموتھم اذ
اذلہم اللہ ولا ادنیٰ ہم اذ
ابعد شہوا للہ -

ساتھ میرے لئے تو اس کی کتابت
ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نصاریٰ
کی توقیر نہیں کرتا جبکہ خدا نے انکی توہین
کی۔ نہ انکی عزت کرتا جبکہ خدا نے انکو
ذلیل کیا اور نہ انکو قرب میں جگہ دیتا
ہوں جبکہ خدا نے انکو دور کیا ہے۔

دیکھئے محض اس معمولی واقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسقدر برا فرجتمہ
ہوئے۔ نصرانی کے ساتھ معاملہ کر نیکو موالات کفار میں داخل کر کے وہ
آیت کریمہ میں پیش کر دی جس میں یہود و نصاریٰ کی موالات سے منع
کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس معاملہ میں نہ اعات حسرت نہی اہانت اسلام نہ اسلام
کا کوئی ضرر نہ دشمن اسلام کیلئے موجب تقویت و نصرت۔ پھر عہدہ ہی
کوئی محرز عہدہ نہیں بلکہ معمولی فشی گری کا۔ جب ایسے خفیہ اور ادنیٰ
معاملہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے موالات کفار میں داخل کر کے اُسکا
خاتمہ کر دیا۔ اور معمولی عہدے پر ہی نصرانی کو نہ دیکھہ کے حالانکہ وہ
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا ماتحت و ملازم تھا۔ تو اس سے اندازہ کرنا چاہیو
کہ اسوقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کیا رائے ہو چاہیے جبکہ انکے سامنے
یہ منظر پیش کیا جائے کہ مسلمانوں کی قسمت نصرانی حکومت کے ساتھ وابستہ
مسلمان بفساری کے غلام اسپر انکو ناز اور نہ صرف اسپر اقتصار بلکہ انہدام
تقر خلافت کے منصوبے۔ وہ بھی اُس نصرانی حکومت کی جانب سے
جو مسلمانوں پر مسلط۔

وہ آسمان غیرت کا آفتاب اور بحر توحید کا تابندہ گوہر فاروقِ عظم

جو اپنی فرط غیرت ایمانی سے ایک نصرانی کو معمولی عہدہ (منشی گری) پر نہ دیکھ
 سکا پہلا وہ اس دور نحوست کی کب تاب لا سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ مسلمانوں
 کی تعداد بھی بائیس لاکھ سے متجاوہ نہ ہو۔ پہلا ایسے راسخ الايمان کے کان
 ترک موالات ترک تعلقات کی بحث کو سننے کی تاب لا سکتے تھے غالباً
 بحث ختم ہونے کے پیشتر ہی بحث سناؤ اے کا خاتمہ ہو چکتا۔ جناب
 حکیم الامتہ بقا نوی کے مسلک پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا
 استدلال اور خفگی دونوں حق بجانب نہ تھے۔ وہ تو حضرت ابو موسیٰ
 اشعرمی رضی اللہ عنہ ہی تھے جو خاموش ہو گئے در نہ اگر حکیم الامتہ
 بقا نوی اُس مجلس میں موجود ہوتے تو ضرور حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 کو ٹوکتے۔ اور فرماتے کہ آیت کریمہ سے ترک موالات ثابت ہوتا ہے نہ
 ترک تعلقات۔ ترک موالات اور چیز ہے اور ترک تعلقات اور چیز۔ لہذا
 نصرانی کا تعلق ملازمت بدستور قائم رہنا چاہئے۔ اس مشورہ کو حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ مانتے یا نہ مانتے لیکن اپنے عادت کے مطابق اسکی وہ
 قدر کرتے جو اس قسم کے مشیروں کی اُنکے دربار میں ہو جایا کرتی تھی۔ بہر حال
 اس واقعہ سے اسقدر ضرورت ثابت ہو گیا کہ ترک موالات کے تحت میں بعض معاملہ
 بھی آجاتے ہیں نہ یہ کہ وہ کوئی مفہوم ہی مفہوم ہو کہ جسکا اثر کسی معاملہ یا تعلق پر
 نہ پڑے اسی کے مؤید حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے
 کہ وہ اور انکے دو ساتھی حضرت ہلال ابن امیہ و سرارۃ بن ربیع
 رضی اللہ عنہما بعض اسوجہ سے مورد عتاب ہوئے کہ انہوں نے کاپلی دہی
 کیوجہ سے غزوہ بتوک میں شرکت نہیں کی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ
 وسلم نے غزوہ سے مراجعت فرما کر اُنکے حق میں جو حکم دیا اُسکی تفصیل صحیح بخاری

یہ اس طرح ہے + -

عن كعب بن مالك قال قال نبي الله
صلى الله عليه وسلم المسلمين
عن كلامنا ايها الثلاثة من بين
من تخلف عنه فاجتنبنا
الناس وتغير والتا حتى تنكبت
في نفسي الارض فما هي التي
اعرف فلبثنا على ذلك خمسين
ليلة - فاما صاحبنا فاستكاثنا
وقعدنا في بيوتهم بيبكبان -
واما انا فكنيت شب القوم واجلد
فكنت اخرا ح
فاشهد الصلوة
مع المسلمين و
الحوث في الاسواق
ولا يكلمني احد
واتي رسول الله
صلى الله عليه
وسلم فاسلم عليه
وهو في مجلس
بعد الصلوة فاقول

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
نے غزوہ میں شرکت نہ کرنا والے گروہ میں
سے جنہیں ہم تین کے سوا سب مختلف عذر
وجہ کر کے اس وقت بری ہو گئے تھے
صرف ہم تینوں کی بات چیت نے
مسلمانوں کو منع فرما دیا (جب کا نتیجہ یہ ہوا)
کہ تمام لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے
اور ہمارے حق میں انکی حالتیں بدل گئیں۔
اب میرے لئے وہ زمین پہلی سی زمین رہی
تھی اسی (سمت کی) حالت میں ہم پچاس
روز تک رہے (اس اثناء میں) میرے
دونوں ساتھی تو گہر بیٹھ گئے (اور اپنی
حالت زار پر شب و روز) روتے رہے۔
لیکن میں چونکہ نوجوان و قوی تھا اسلئے
مجھ سے گہر بیٹھا نہ گیا (مسلمانوں کیساتھ
ملازمین بھی شرکت کرتا بازار میں بھی جگہ
لگاتا۔ لیکن مجھ سے بات چیت کوئی
نہ کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر سلام کرتا

فی نفسی هل حرك
شفتیہ بود السلام
علی امر لا -

جبکہ بعد فراغ نماز اپنی جگہ پر ہوتے۔
(لیکن صاف طور پر جواب سلام تو
بجائے خوربا) اپنے دل میں کہنا کہ لب
مبارک ہی بلائے یا نہیں۔

اس حدیث کا پچھلا حصہ یہ ہے جو زیادہ قابل لحاظ ہے۔

حتى اخامضت اربعون ليلة
من الخمسين اذ ارسل
رسول الله صلى الله عليه وسلم
يا تينى فقال رسول الله صلى
الله عليه وسلم يا مريك ان
تعزلى امرأتك فقلت اطلقها
ام ماذا فعل قال لا بل عتزلها
ولا تقر بها وارسل الى
صاحبتى مثل ذلك -

پچاس میں سے چالیس روز گزرنے پر
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ
میرے پاس آیا کہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی
سے کنارہ کش ہو جاؤ میں نے ان سے
دریافت کیا کہ طلاق دیدوں یا کیا کروں
اسنے کہا نہیں بلکہ بیوی سے علیحدہ رہو
اور اسکے قریب مت جاؤ۔ یہی پیغام
میرے دونوں ساتھیوں کو پہنچا دیا
گیا۔

اس واقعہ میں اور موجودہ حالت میں بجز اسکے کوئی فرق نہیں کہ عہد اقدس
میں ترک موالات ان تین جلیل القدر اصحاب کے کی گئی جنکے ہاتھوں عمارت
سلام کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ان میں سے کعب بن مالک سوائے
غزوہ بدر اور غزوہ بنو نضیر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔ آج نصرانی
حکومت سے موالات ترک کی جا رہی ہے۔ عہد اقدس میں محض اس جرم
بکہ شہیدان اسلام سے صرف کمالی دستہ مستثنیٰ رہتا ہوئی۔ ترک موالات کا

حکم ہوا آج اس دشمن اسلام گورنمنٹ سے موالات قطع کی جا رہی ہے جو نہ اسلام کو باقی رکھنا چاہتی ہے نہ خلافت اسلام کو۔ عہد اقدس میں اس تعلق کے قطع کر دینا حکم دیا گیا ہے بغیر زندگی مشکل ہے۔ یعنی بات چیت کا ترک۔ یہ ایسا بد دوست تعلق ہے جو تمام تعلقات کو حاوی ہے۔ اس تعلق کے قطع کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ تمام تعلقات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص جس سے تمام لوگ بات چیت ترک کر دیں وہ کیا خاک سم و خوار بن کر رہ سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے شخص کی در ماندگی و بی پارگی کا ہم نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔

وہ بولنے والی زبان بکٹا رہی لیکن بول نہیں سکتا۔ وہ بھی دوسروں کی طرح خواہشات و جذبات کا رعبم ہے لیکن نہ کوئی خواہش پوری کر سکتا ہے۔ نہ کسی جذبہ کا اظہار۔ وہ اپنی و استمان غم سنانا چاہتا ہے لیکن کوئی سننے کیلئے تیار نہیں۔ ایسے مصیبت زدہ کو چالیس روز بعد ہی سے ہی علحدہ رہنے کا حکم پہنچتا ہے اور اس طرح ایام مصیبت میں ایک مونس و غمخوار کے تنوع سے ہی محروم کر دیا جاتا ہے۔ انکی شرح غم قرآن کریم نے اس طرح کی ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلْفُوهُ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ خَرُّوا
 إِنَّ اللَّهَ لَا يُلَاحِظُ مَنْ اللَّهُ إِلَّا الْبِئْسَ ثَمَرٌ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا
 إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلْفُوهُ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ خَرُّوا
 إِنَّ اللَّهَ لَا يُلَاحِظُ مَنْ اللَّهُ إِلَّا الْبِئْسَ ثَمَرٌ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا
 إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

خدمت اسلام میں ایک ادنیٰ سستی کا ہلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان تین علیل
 القدر اصحاب کی نہ ارادت و عقیدت کا کام آئی نہ انکی غلو و مغذوریت پر
 لحاظ کیا گیا۔ نہ انکی بے ریا طاعات و عبادت پر توجہ کی گئی نہ انکی خدمات
 سابقہ کی رعایت کی گئی کہ انہیں سے ایک ایک خدمت اس قدر عظیم الشان
 و مقبول عند اللہ تبارک و تعالیٰ کہ اگر آج تمام کرہ ارض کے مسلمان متفقہ طور پر کوئی
 خدمت اسلام انجام دینا چاہیں تو وہ اس قدر مقبول عند اللہ نہیں ہو سکتی
 جتنی ایک صحابی کی خدمت مقبول ہے۔ ان حالات کے باوجود ایسا
 شدید حکم انکے حق میں نافذ ہوا کہ تمام تعلقات کے ساتھ خانگی تعلق کو بھی قطع
 کر دیا گیا اور پورے پچاس لاکھ تک سخت امتحان میں مبتلا کئے گئے جب
 جا کر کہیں توبہ قبول ہوئی۔ یہ سب کچھ محض تحفظ اسلام کی خاطر ہوا تھا کہ اگر
 کہیں سستی و کاہلی کا مرض مسلمانوں میں سرایت کر گیا تو پھر حفاظت اسلام
 کی کیا صورت ہوگی۔

یہی وہ اصول ہیں جنکی پابندی کیوجہ سے اسلام کو استحکام ہوا۔ اگر یہ
 سختی کا ہر تاؤ و عہد قدس میں نکلیا جاتا تو گشتن اسلام کی بہار کہی کی لٹ
 جلی ہوتی۔ یہ اُسی کی برکت ہے کہ اب تک اسلام صفحہ دہر پر باقی ہے۔
 آج جبکہ اسلام نرغہ اعدا میں گہر گیا ہے تو ضرورت ہے کہ اُسی حربہ
 سے اُسکو آزاد کرایا جاوے جو عہد قدس میں استعمال کیا گیا تھا۔ سچ بوجھ تو
 اصلی ترک موالات یہ ہے جو عہد قدس میں کی گئی کہ جسکا اثر خانگی تعلق پر
 یہی پڑا۔ نہ یہ پست درجہ کی خفیف ترک موالات کہ جسکے دائرہ اثر میں نہ
 گورنمنٹی ملازمین آئیں نہ دیگر ضروری تعلقات آئے اور آئے ہی تو کیا انکو
 بیکار و لغو خطابات فقیرانہ امریر ہی عہد سے آدرجہ تجارتی تعلقات جنکی

رو سے گورنمنٹ کو بید فائدہ ہے اور مسلمانوں کی کوئی ضرورت ان کے بغیر
انکی نہیں رہتی۔ اسپر ہی حکیم الامتہ تھا تو بی برافز ختمہ ہیں کہ اس سے
گورنمنٹ سے کیوں تعلقات قطع کئے جا رہے ہیں وہ تو ایسی اور ویسی ہے
اور ترک موالات و ترک تعلقات میں فرق ہے۔

مہربان من ترک موالات کے سلسلہ میں خانگی تعلق تک تو عہد قدس
میں ترک کر دیا گیا اب اس سے بڑھ کر اگر گورنمنٹ کے ساتھ کسی کا تعلق ہو
تو وہ آپ ارشاد فرماویں۔ آپ کے نزدیک ترک موالات کے تحت میں کوئی
تعلق نہ تھا۔ اب یہ دیکھئے کیسے گہرے تعلقات تک اس کے تحت میں آ رہی
ہیں۔ اب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں
یا حکیم الامتہ کے اس مبیولہ تخیل کی طرف توجہ کریں کہ مشترک موالات اور چیز
اور ترک تعلقات اور چیز۔

اس میں شک نہیں کہ عہد اقدس میں کفار کے ساتھ معاملہ لین دین بھی
ہوا ہے ان کے ساتھ تجارتی تعلقات بھی قائم کئے گئے ہیں لیکن وہ زمانہ صلوات
میں قائم کئے گئے یا اسلامی ضروریات رفع کربہ کی غرض سے یہی تعلقات
بعض اوقات اسلامی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر قطع بھی کر دئے گئے مقصود
اسلامی مفاد ہے وہ جس طریق سے چاہل ہو خواہ تعلقات قائم رکھیں یا انکو
توڑ کر ہر سخن و تفتہ و ہر نکتہ مقامی ارد

اس وقت دشمن اسلام گورنمنٹ سے معاہدہ لیٹ چکا ہے۔ اسلام اور گورنمنٹ
برطانیہ میں جنگ چھڑ گئی ہے ہر ایک دوسرے کے استیصال کی فکر میں ہے
حکیم الامتہ میں کہ انکو تعلقات کی فکر و منگیر ہے۔ زمانہ جنگ کو زمانہ صلوات
پر قیاس فرما رہے ہیں اور اس طرح اپنی حکمت عملی سے اسے مستحکم کر چکا ہے۔

ستقیم سے ہٹنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔

ترک موالات اور مسئلہ دفاع

قارئین کرام بحمد اللہ تعالیٰ اس نتیجہ پر ضرور پہنچ گئے ہونگے کہ موالات کے تحت میں وہ تعلقات و معاملات ضرور آجاتے ہیں جو دشمن کیلئے موجب تقویت یا نصرت ہوں۔ خائفی یا تحریر کے تیور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلا استشارة کسی معاملہ یا تعلق کو موالات کے تحت میں رکھنا نہیں چاہتی۔ ہم کہتے ہیں گو اُس کا یہ ادعا کتنا ہی غلط بھی لیکن اسکے تسلیم کر دینے کے بعد یہی فسوس ہے کہ اُس کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہ مسئلہ کہ موالات کے تحت میں کوئی معاملہ اور تعلق نہ آئے اور اس طرح ترک موالات کی رو سے کسی تعلق کا انقطاع نہ ہو۔ لیکن موجودہ حالت میں مدافعت کا فرض مسلمانوں پر عائد ہو گیا ہے نہ کہ صرف ترک موالات کا۔ مدافعت کفار کیلئے مسلمانوں کو کامل اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طریق سے چاہیں مدافعت کریں۔ اس بات میں اسلام انکو کسی خاص طریق کا پابند نہیں کرتا۔ ہر زمانہ کے مناسب جو صورت زیادہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ اسی کو مسلمان بے تاثر اختیار کر سکتے ہیں۔ آج گورنمنٹ برطانیہ اور اسلام برسرِ پیکار ہیں برطانیہ اپنی پوری شوکت کے ساتھ اسلام کے وجود اور اُسکی شوکت کو مٹانا چاہتی ہے۔ اسی طرح اسلام ہی اس گورنمنٹ کے استیصال اور مدافعت کا مطالبہ اپنے عزیزِ مدن سے کر رہا ہے۔ دشمن اسلام کے قتل کے لیے کسی طریق کا پابند نہیں ہے۔ اسی طرح سے اسلام ہی مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ تم بھی

دفاعت میں کسی خاص طریق کے پابند نہ رہو ورنہ حریف کے غلبہ کا اندیشہ ہو۔
 آج سوال تعلقات و عدم تعلقات کا نہیں ہے۔ بلکہ فتح و شکست اور
 فنا و بقا کا سوال ہے۔ یہ نہ صرف ہمارا اور علماء کرام کا قول ہے بلکہ اُسکا
 ارشاد ہے جسکے فرمان کی خود اسلام تبلیغ کر رہا ہے۔ قرآن کریم کی
 اس آیت کریمہ پر غور کرو۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ	مسلمانو! جہان تک تم سے ہو سکے کافروں کے
مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطٍ	(مقابلہ کے لئے) اپنی پوری قوت سے اور لڑائی باؤں سے
أَخِيْلٍ تَرْهَبُونَ بِهِ	رکھو سے تیاری کی کہ وہ کہہ کر یہ سے اللہ کے اور
عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ	اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے

یہ آیت کریمہ اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ دشمنان اسلام سے مقابلے
 کے وقت اپنی پوری قوت صرف کر دینا چاہئے اور جس پہلو دشمن پہچن کر
 اُسکو پھاڑنا چاہئے۔

یہ آیت کریمہ اپنی تفسیر خود ہی ہے۔ اسکو مزید تفسیر کی حاجت
 نہیں۔ تاہم تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی لفظ (قوة) کی تفسیر میں
 لکھتے ہیں ۴۔

قَالَ أَصْحَابُ الْمَعَانِي لَأُولَى	آجھا، درایت فرماتے ہیں مناسب ہے کہ لفظ
أَنْ يُقَالَ هَذَا عَامٌ	(قوة) کو عام لیا جائے اسطرح پر کہ اسکی مراد
فِي كُلِّ مَا يَتَّقُونَ بِهِ	ہر وہ امر ہے جسکے ذریعہ دفاعت دشمن میں
عَلَى حَرْبِ الْعَدُوِّ وَكُلِّ	(مسلمانوں کو) قوت (اور قدرت) حاصل ہو
مَا هُوَ آتٍ لِلْغَزْوِ وَالْجِهَادِ	جہاد اور غزوات کے جس قدر آلات ہیں وہ سب
فَهُوَ مِنْ جَمَلَةِ الْقُوَّةِ	قوة کے تحت میں داخل ہیں۔

ظاہر ہے کہ آج مسلمانوں کے وہ الائیٹ حرب کہاں دشمن کے پاس ہیں۔ اُنکے حق میں اگر کوئی سود مند آلہ حرب ہے تو وہ صرف یہی کہ جس تجارت کے ذریعہ دشمن کو فرد غ اور استحکام ہو رہا ہے اُسکا خاتمہ کرنا ایسی حالت میں مجرد ترک موالات کے احکام کو زمانہ مدافعت میں جاری کرنا علاوہ اسکے کہ خلاف شان علم و تمیز کے یہی خلاف ہیمنساری سے موالات تو اسلام کو کبھی نہوئی اور نہوئی۔ لہذا ترک موالات کوئی آج کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسکو طے ہوئے کامل تیسرہ سو برس ہو چکے جبکہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا ولی مت بناؤ۔

آج مسئلہ مدافعت درپیش ہے۔ مدافعت کی وقت صرف مدافعت فرض ہے نہ کہ یہ تازک خیالیاں کہ ”ترک موالات اور چیر ہے۔ اور ترک تعلقات اور پتیر“

جناب حکیم الامتہ اور سطر ح حضرت مجدد بریلوی کے نزدیک اگر موجودہ نظام عمل مدافعت کیلئے مفید نہیں تو دونوں بزرگوں کا فرض ہو کہ وہ کوئی جدید نظام عمل مرتب کریں۔ کوئی وجہ نہیں کہ علماء کرام بلا لحاظ اُسکو مسترد کر دیں ممکن ہو کہ موجودہ نظام عمل سے کوئی بہتر صورت مدافعت کی نکل آئے لیکن عجیب بات ہو کہ خود کوئی تجویز پیش نہ کریں اور جب ایک تجویز اسلامی حلقہ میں مقبول ہو جائے تو اُسین گونا گون شبہات تاہم کر کے امت محمدیہ میں خلاف برپا کر دیا جائے۔ اس سے صاف روشن ہو گیا کہ درحقیقت نفس مدافعت ہی میں دونوں بزرگوں کو کلام ہے۔ جسکو ان فضول بحثوں کے ذریعہ چھپایا گیا ہو یہ بہت ممکن ہے کہ ان کارروائیوں سے مخلوق پر حقیقت آشکار نہو۔

لیکن علام الغیوب کے اندر نہی راز کا مخفی رکھنا محال ہے۔ جب یہ نہ ہوا
تو کچھ نہ ہوا۔

الحاق مدارس (اور) امداد گورنمنٹ

بحالت موجودہ گورنمنٹ سے امداد لینا اور ایسا تعلق پیدا کرنا جس سے
گورنمنٹ کی محبت دل میں پیدا ہو قطعاً حرام ہے۔ حضرت شاہ عبدالغفر
صاحب دہلوی قدس سرہ اپنے ایک فتوے میں جو موالات کفار کے متعلق ہے
تحریر فرماتے ہیں۔

<p>وہ موالات جو دوستی کے معنی میں ہیں اگر دین کی حیثیت کفار کے ساتھ ہو تو وہ بالاتفاق کفر ہے۔ اور اگر دنیا کے لحاظ سے ہے تو وہ حرام ہے جبکہ وہ اس شخص کا اختیاری فعل ہو مطلقاً کہ اپنے اختیار سے ایسے اسباب قرار دے کر واجب نتیجہ کفار کے ساتھ دوستی ہو حرام ہے۔</p>	<p>موالات بمعنی دوستی اگر من حیث الدین یا بہنا متحقق شود بالاجماع کفر است و باعتبار دنیا اگر اختیاری این شخص است پس حرام است معنی ان تعاطی اسباباً حرام۔</p>
--	--

ظاہر ہے کہ گورنمنٹ سے امداد لینا اسکو اپنا محسن بنانا ہے اور یہ انسان
کا فطری جذبہ ہے کہ محسن کیساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی وہ ہے جسکی
حرمت کا شاہ صاحب نے فتویٰ دیا ہے۔ فقہی قاعدہ ہے کہ اسباب
المعصیۃ معصیتہ۔ یعنی معصیت کے اسباب ہی داخل معصیت ہیں۔

یہ حکم تو مطلق کفار کا ہے۔ گورنمنٹ کا درجہ اس سے بالاتر ہے۔ بحالت
موجودہ گورنمنٹ کو محض کافر تسلیم کرنا درحقیقت گورنمنٹ کو اس کے درجہ سے

پست کرتا ہے۔ وہ صرف کافر نہیں ہے بلکہ اُسکے ساتھ معاند اسلام بھی ہے۔
 یہ نہایت بدتمیزی ہے کہ شخص کافر و معاند اسلام میں فرق نہ کیا جائے نہ لحد
 اسلام یہ دونوں میں فرق کرتی ہے۔ اور دونوں کیلئے جداگانہ حکم دیتی ہے۔
 شخص کافر کے لئے اسلامی فیصلہ یہ ہے کہ اُنکے ساتھ دوستی نہ کی جائے
 اور ایسے تعلقات اور وابستہ پیدا کئے جاویں جنکی رو سے دوستی و محبت
 میں اضافہ ہو۔ لیکن معاندین اسلام کے حق میں کہ اسلام کے درپے استیصال
 ہوں اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انپر سختی کی جائے اور انکے ساتھ عداوت و عناد
 میں شدت ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد سنو۔

یا ایھا النبی جاهد الکفار || اے نبی! کفار اور منافقین کیساتھ جہاد
 و المتنافقین و اغلظ علیہم۔ || اور انپر سختی کرو۔

ظاہر ہے کہ مدافعت و جہاد کا حکم انہیں کفار کے ساتھ مخصوص ہے
 کہ جو اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں۔ پس حکم شدت و غلظت میں گورنمنٹ
 آ سکتی ہے نہ کہ کوئی معمولی کافر۔

لطف یہ کہ اس غلظت و عناد کے ساتھ معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔
 ایسی حالت میں کس قدر بدتمیزی ہے وہ مسلمان جو ابھی تک یہ دریافت کئے
 چلے جا رہے ہیں کہ گورنمنٹ سے امداد لیں یا نہ لیں۔

سرید بسوخت ہنوز اختلاف باقی بہت

علامہ ابنِ قتیبی قاعدہ ہے کہ کل ما انجز الی منظور نہو منظور۔ جو فعل کسی
 ممنوع و ناجائز فعل کی طرف پہنچا دیتا ہے وہ خود ممنوع و ناجائز ہے۔ اس
 قاعدہ سے ہم بہت آسانی کے ساتھ صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ سب سے پیشتر
 گورنمنٹی کالچوں و اسکولوں کے اغراض پر غور کرو۔ حکومت کو کالچوں و

اسکولوں کے قائم کرنے غرض ہے اپنے عمل کا استحکام اور اپنے قانونِ آئین کی ترویج۔ اسکی یہ ہر دو غرض بغیر اسکول کالج قائم کئے ہوئے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اسبوجہ سے نہایت فیاضی کے ساتھ وہ کالجوں اسکولوں میں رقم صرف کرتی ہے کیونکہ ترویجِ آئین و نظامِ عمل کے استحکام سے خود سلطنت کو استحکام و فردِ غ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جو غیر سرکاری کالج یا اسکول گورنمنٹ کی اغراض پوری کر نیکا ذمہ لے لیتی ہے۔ اسکی امداد میں ہی گورنمنٹ ور یج نہیں کرتی بشرطیکہ اسکول اسکا کافی اطمینان ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جن مدارس میں گورنمنٹ کی اغراض پوری نہیں ہوئیں ہاں وہ امداد دینے کیلئے ہی تیار نہیں۔ گون کہہ سکتا ہے کہ وہ خاص اسلامی عربی مدارس میں خفیف سے خفیف بھی امدادی رقم دیتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کو اپنے اغراض مد نظر نہ ہوتے اور محض خوشنودی رعایا کے اصول پر یہ امداد دینی ہوتی تو آج خالص اسلامی مدارس بھی اُسکے فیاضی کے زیر بار احسان نظر آتے۔ لیکن جہاں تک ہم کو علم ہے اسکی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اسکا ہم ذمہ نہیں لیتے کہ کسی خاص اسباب و حالات کی بنا پر کسی خالص عربی مدرسہ نے کوئی امداد حاصل کر لی ہو بحثِ عموم سے ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ مفقود ہے۔ ورنہ حسبِ طرح آج علیگڑہ کالج دیگر غیر سرکاری کالجوں و اسکولوں کو گورنمنٹ کی جانب سے بیش قرار امداد مل رہی ہے اسی طرح دارالعلوم دیوبند کو بھی اس سے محروم نہ رہنا چاہئے تہا جبکہ علیگڑہ کالج کی طرح وہ بھی قدیم مدرسہ ہے اور دونوں تقریباً ساتھ ساتھ عالم وجود میں آئے ہیں۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ گورنمنٹ کے اغراض پورا کر نیکا ذمہ نہیں۔ اس لحاظ سے گورنمنٹی امداد و حقیقت ایک معاملہ اجرت ہے کہ

چند چاندی کے سکتے دیگر ایک اجیر (مزدور) حاصل کر لیا۔
 آئین گورنمنٹ کے متعلق اسلامی فیصلہ یہ ہے کہ وہ باطل و غلط
 ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا ناجائز و حرام۔ اسلام مخلوق کے کسی آئین کی تائید
 نہیں کرتا۔ وہ صرف اُس آئین کا حامی ہے جو خدائے ذوالجلال کی طرف سے
 ہے بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ آئین خداوندی کا دوسرا نام اسلام ہے۔ اسلام
 صاف لفظوں میں یہاں تک کہ یہ کہتا ہے کہ لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق
 کسی مخلوق کی طاعت جائز نہیں جبکہ اس میں خالق کی معصیت ہو جس طرح
 گورنمنٹ اور اسلام کے درمیان معرکہ اراہی ہے اُسی طرح اسلام
 اپنے آئین کی تبلیغ ضروری قرار دیتا ہے۔ ہر دو آئین کا تضاد آج نہیں
 ہوا بلکہ پیشتر سے ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ جس طرح گورنمنٹ خالق اکبر کے سامنے ایک بے
 حقیقت شے ہے۔ اسی طرح خالق اکبر کے قانون اور آئین کے سامنے گورنمنٹ
 کا قانون (جو اس قانون کے مساوی ہے) بیج ہونا چاہئے۔ لیکن واقعہ
 یہ ہے کہ آج آئین گورنمنٹ اس اوج و عروج پر ہے کہ اُسکا جاننے والا پاپا
 روپیہ لیکر تو صرف بات کرتا ہے۔ اُسکے مقابلے میں آئین اسلام اس منزل کو
 پہنچ چکا ہے کہ اُسکا پاپا اور اُسکا جاننے والا بڑا خوش قسمت وہ شمار کیا
 جاتا ہے جس نے اپنے کو ذوق سے محفوظ کر لیا ہے۔ یہ بات بھی اُسکو کسی
 دوسری تدابیر و حکمت عملیوں کی بدولت میسر آتی ہے نہ کہ نفس آئین الہی کے
 جاننے کی وجہ سے۔ اگر اُن تدابیر کو کوئی کام میں نہ لائے تو پھر اُسکے لئے یہ
 بہتر ہے کہ دنیوی زندگی کے بجائے وہ آخرت کی زندگی تلاش کرے۔ اسی
 پر ہر دو آئین جاننے والوں کی حرمت و عزت کو یہی قیاس کر لیجئے کہ اگر وہ

آئین گورنمنٹ کی دیر دولت پر عمل کرنے کی گھنٹیاں اور موٹر کھڑے ہوئے ہیں تو دوسری طرف یہ تماشائی آپ کو نظر آجائینگے۔ کہ ایک عالم قانون خدا سے ذوالجلال حکم خداوندی کی تبلیغ کیلئے ایک معمولی صاحب ثروت کے مکان پر جاتا ہے لیکن اسکو باریابی نصیب نہیں ہوتی۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندہ کے آئین کا یہ عروج اور خدائی قانون کی پستی آخر اسکا سبب کیا ہے۔ اسکا جواب اسی قاعدے فقہی سے ملجاویگا اور وہ یہ کہ جب آئین گورنمنٹ اسلامی تعلیم کی رو سے باطل تھا تو اسکی ترویج ناجائز ممنوع ہوئی گورنمنٹی کالجوں میں تعلیم پانا اس ممنوع آئین کا باعث ترویج ہوئی۔ پس ترویج کی طرح وہ تعلیم بھی ناجائز ہوئی کیونکہ معصیت کا سبب ہی معصیت کے شمار میں ہے۔ یہ معصیت ایک دوسری معصیت کا سبب بن گئی۔ وہ یہ کہ اسلامی تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی کیونکہ عادتہ دونوں تعلیموں کا جمع کرنا غیر ممکن ہے۔ گورنمنٹی تعلیم اتنی مہلت ہی نہیں دیتی کہ قبل یا بعد کوئی مسلمان محض ضروریات اسلامی کی تعلیم سرسری طور پر ہی حاصل کر کے یہ فرض عین کا ترک ہوا۔ کیونکہ ضروریات اسلامی کا جائزہ مسلمان پر فرض ہے۔ اور تارک فرض بتلائی معصیت و حرام ہے۔ غرض جب اسلامی تعلیم ہی سے مسلمان کو بے رہے تو اسکی تبلیغ کرنا لایعجز مسلمانوں کے کون اسکا نتیجہ بخیر اسکے سونا ہی کیا تھا کہ گورنمنٹی آئین اس عروج پر ہو گیا اور اسلامی آئین انحطاط کی آخری منفر لیں طے کر رہا ہے۔

حریف اسلام گورنمنٹ بازی لیگئی۔ اور اسلام مسلمانوں کا منہ مکتا کر گیا۔ اب تعلیم حاصل کرنا والوں کے اغراض سنئے۔ عموماً غرض صاحب دین و حیا

کیلئے یہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے اور یہ دونوں حرام ہیں یہ مصیبت علیٰ الرصیۃ
 ہوئی۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔ رہے وہ حضرات جو محض ضرورت کی وجہ سے
 تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ بنیائیت کم بلکہ نایاب ہیں۔ ان کا مقصد حب جاہ نہ
 سہی ملازمت ضرور ہوتا ہے۔ بحالت موجودہ گورنمنٹی ملازمت میں سعی کرنا
 گورنمنٹ کی موالات ہے کہ جو حرام ہے جیسا کہ واضح ہو چکا۔ تحصیل رزق
 کے دوسرے جائز وسائل کے ہوتے ہوئے محض ضروریات زندگی کے رفع
 کرینکی خاطر گورنمنٹی تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ جو پہلے سے
 ملازم ہیں ان کو بوقت فتنہ مستثنیٰ کیا گیا ہے نہ یہ کہ سعی ملازمت کی اجازت
 دی گئی ہے۔

یہ بحث صرف گورنمنٹی تعلیم کے اغراض کے متعلق تھی۔ باقی رہا اس تعلیم
 کا زہریلا اثر جس کو آج ایک دنیا جانتی ہے۔ فارغ از بیان ہے۔ کہ دین میں
 مہنت۔ احکام شرعیہ سے بے اعتنائی۔ ہوا پرستی سب کچھ اس تعلیم کے جاننے
 والوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہ سب شریعت اسلامی کی رو سے حرام ہیں
 پس حسب قاعدہ مذکورہ نفس تعلیم ممنوع و حرام ہے۔

غرض ایک اسلامی اصول کے ترک سے یہ قبائح رونما ہوئے۔ جس
 اصرار کو آج بچہ ٹھوکر میں کہانے کے بعد لوگوں نے سمجھا ہے اس کو فقہاء کرام پہلے ہی
 طے کر گئے تھے۔

یہ تمام احکام نفس تعلیم کے متعلق تھے جس سے ادا و گورنمنٹ کی حرمت
 پر استدلال کیا گیا ہے کہ وہ اس تا جائز تعلیم کی شرط پر ادا دیتی ہے۔ آج زمانہ
 ترک موالات و مدافعت ہے۔ اس زمانہ مدافعت میں نفس امارت کمال گناہی ممنوع ہے
 خواہ کہ گورنمنٹ جائز تعلیم ہی کیلئے ادا و گورنمنٹ

نہیں دیتی کہ وہ اپنے حریف کا شرمندہ احسان ہو۔ مجدد و صاحب بریلوی بہان
احکام کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ لیکن جبکہ ان کے دل میں اسلامی دین کی طرح
مسلمانوں پر خفگی ہی ہے اسوجہ سے وہ اسی سلسلہ میں خفگی کے پہلو پر آ گئے۔
اوسر یہ بھی خیال تھا کہ کوئی بات خلافت احکام اسلام قلم سے نہ نکل جائے
وہ نون باتوں کا لحاظ فرماتے ہوئے امداد گورنمنٹ کے متعلق بریلوی
قلم سے یہ تحریر فرماتے ہیں۔

”وہ الحاق اور اخذ امداد اگر نہ کسی امر خلافت اسلام و مخالفت شریعت سے

مشروط نہ اس کے طرف منجر تو اس کے جواز میں کلام نہیں اور نہ ضرور ناجائز و نام

ہوگا مگر عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب ہوگا۔ نہ بر بنائی تحویم مطلق

معاملت جس کے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں اور خود ان مانعین کا طرز عمل

ان کے کذب و عوے پر شاہد۔ یہاں تا روک سے تمتع کیا معاملت نہیں۔

فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور اس کے استعمال میں دنیا عجب

کہ مقاطعت میں مال دنیا حلال اور لینا حرام“

دیکھئے کیا پہلو دار عبارت ہے کہ ہم اسکی داد دینے سے قاصر ہیں۔

یہ عبارت چند خوبیوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ علماء کرام کو یہ باطل التزام دیکر

کہ (وہ مطلق معاملت کو حرام کہتے ہیں) اپنا دلی بخار نکال گئے حالانکہ ایسا

ہے۔ جیسا کہ معاملات کی بحث میں گذر چکا۔ و وہم یہ کہ مسئلہ اخذ امداد کو

وضاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا کہ جائز ہے یا ناجائز بلکہ فقہی قیود کیساتھ

جکڑ بند کر دیا۔ اس میں مصلحت یہ کہ ادھر تحقیق کچھ نہ سمجھ سکے اور اوسر وقت

پر گریز کا موقع مل جائے۔ سو وہم یہ کہ اس باطل التزام سے نا سمجھ تحقیق

یہ سمجھ لے کہ علماء کرام حق پر نہیں ہیں جس سے وہ عمت کے ساتھ اس سے

یہ سوچ جائے کہ گورنمنٹ سے اخذ امداد جانے پہ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بریلوی
فتوے کا ملن حاکم علی موقوف شدہ پروفیسر اسلامیہ کالج
لاہور جواز ہی سمجھ گیا۔ چنانچہ اسی اعلان کے اخیر میں اس طرح نتیجہ نکالتا ہے کہ
”لہذا علی گڑھ کالج الحاق اور اسلامیہ کالج کا الحاق جائز ہے۔۔۔۔۔“

..... اور سرکار سے ان دونوں کیلئے امداد لینا جائز ہے۔“

اب علماء کرام کی خیرانی ملاحظہ ہو کہ وہ نہ حاکم علی جیسے ناسمجھ لوگوں
کی صدائے بے ہنگام کو روک سکتے ہیں کیونکہ انکا اعتقاد ٹھہرا مجاہد
بریلوی پر پہلا وہ کب انکا ارشاد سننے لگے۔ اور نہ مجدد صاحب بریلوی
کو الزام دے سکتے ہیں کیونکہ بریلوی صاحب کے حق میں انکی بڑی بانی قیود
(نہ کسی امر خلاف اسلام و مخالفت شریعت سے مشروط نہ اسکی طرف منجر)
سپر بنجائیں گی وہ صاف ارشاد فرمادینگے میں نے مطلق جواز امداد کا کب
فتویٰ دیا۔ قیود پر نظر ڈالی جائے۔ لطف یہ کہ قیود سب علماء کرام کو منہید
کہ انکی رو سے الحاق و اخذ امداد ناجائز لیکن الزام کسی کو نہیں دے سکتے اور
نہ فتنہ اختلاف کو فرو کر سکتے ہیں۔ فتویٰ کی غرض تھی اظہار حق لیکن
اب اس سے اخفاء حق و افشاء باطل کا کام لیا جا رہا ہے۔ انا للہ وانا

الیہ راجعون۔ رہا یہ امر کہ مقاطعت میں دینا حلال و لینا حرام اسکا تحقیقی
جواب نہایت تفصیل کے ساتھ آیات و احادیث کے حوالہ سے دیدیا گیا۔ ریکل
تار ڈاک وہ معاملہ ہے جسکے ذریعہ ضروریات و خیر القرض اسلامی انجام پاتے
ہیں اور اس میں گورنمنٹ کا کوئی احسان ہی نہیں جبکہ وہ اجرت لے لیتی ہے
تاکہ محبت یا میلان خاطر اسکے طرف ہو سکے لیکن امداد بالکل احسان کی صورت میں
ظاہر ہوتی ہے جس میں علاوہ مفاسد مذکورہ میلان خاطر و جذبہ شکر پیدا ہوتا ہی جو قطعاً

ممنوع ہوا اور جسکی اجازت حکیم الامتہ تھا نوی ہی نہیں دیتے۔

الزامی جواب ایک استفسار موقوف وہ یہ کہ اگر کوئی دیوبندی (جو
حسب زعم آنجناب کافر و مرتد ہے) اور جنکے ساتھ متقاطعت آچکے نزدیک
شرعاً آپکے مدرسہ کو مالی امداد دے تو آنجناب اس امداد کو قبول فرمایا کرتے
یا ناجائز کہہ کر مسترد فرما دیتے۔ صورت اول آپکی حمیت و غیرت کو صدمہ
پہونچاتی ہے کہ جسکو مرتد بنائیں اسی کی امداد پر اپنا مدرسہ چلا لیں وغیرہ آپکے
اصول متقاطعت کے ہی خلاف۔ صورت ثانی میں ہمارا مدعا محال۔ اس
صورت کو بھول نہ جائیگا۔ اور سنے بالافرض دیوبند کی طرف سے مختلف
تحریرات کا لگاتار سلسلہ قائم ہو اور وہ آپکے زعم کے مطابق ایسی ہوں کہ
انکے جواب نہ دینے کی صورت میں کل ہندوستان کے کفر و ارتداد میں
متبلا ہو جانے کا قوی اندیشہ اور اس پر یہ امر مستغیر کہ تمام مطابع پر دیوبندی
مسلط ہوں لیکن اجرت کے ساتھ وہ ہر قسم کی تحریر چھاپنے پر آمادہ ہوں۔
ایسی حالت میں آنجناب کیا کریں گے متقاطعت کے اصول پر خاموش
رہیں گے یا اجرت دیکر اپنی ہدایت آب تحریر شایع کر لیں گے۔

پہلی صورت آپکی شان تبلیغ کو بوجہ لگاتی ہے اور آپ ایک اسلامی
فرض کے تارک ٹھہرتے ہیں جو ایک مجدد کی شان سے بعید ہے۔ دوسری
صورت میں آپکا طعن خود آپ پر عود کرتا ہو کہ تعجب کہ متقاطعت میں مال دنیا
حلال اور ایسا حرام، ورنہ اسکا سبب ارشاد ہو کہ کیوں دیوبندی سے مدرسہ
کیلئے امداد نہ لی۔ اور اشاعت تحریر میں اوسکو رقم دی۔ جب آنجناب کی جہہ
غیرت ہے تو اسلام آپکے بدرجہا زیادہ غیرتدارک ہے۔

ہندو مسلم اتحاد

اس اتحاد کے متعلق تین قسم کے شبہات کئے گئے ہیں اول یہ کہ انگریزوں نے
مقاہطت اور ہندوؤں کیساتھ مصالحت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی جبکہ دونوں غیر
مسلم ہیں مقاہطت (ایٹیکٹ) دونوں سے ہونا چاہیے ورنہ کسی سے نہیں۔
دوہم یہ کہ ہندو انگریزوں کی نسبت مقاہطت کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ
ہندو و مشرک ہیں اور انگریز نصرانی۔ قرآن کریم نے مشرک و یہود کو عداوت
میں محنت ترا اور نصرانیوں کو مودت (دوستی) سے قریب تر قرار کیا ہے
یہ شبہ جناب حکیم الامتہ تہاؤبی کا ہے۔ سوہم یہ کہ تحریک ترک موالات شرعاً
نا جائز و ترکیب ہے کیونکہ ایسے لیڈروں اسلامی نے شعائر اسلامی کو ترک اور
شعائر ہندو کو اختیار کیا ہے۔

ان ہر شبہات کا استیصال اس آیت کریمہ نے کر دیا۔

لَا يَنْهَى كُفْرَ اللَّهِ عَنِ الَّذِينَ لَمْ
يُكْفَرُوا فِي الدِّينِ وَلَمْ يَخْرُجُوا
مِنْ دِيَارِهِمْ أَتَى كُفْرُهُمْ
وَتَقَسَّطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ إِنَّمَا يَنْهَى
اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوا
فِي الدِّينِ وَخَرَجُوا مِنْ
دِيَارِهِمْ وَظَاهَرُوا عَلَى

حق تعالیٰ تکو ایسے کافروں کیساتھ ہلای اور
انصاف کرنے سے منع کیا جنہوں نے تمہارے ساتھ
نہیں لڑائی نہیں لڑی اور تمکو تمہارے گروں سے
نکالا بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنا والوں کو
دوست رکھتا ہے اور کفار تو ان کافروں دوستی
اور باہمی امداد کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین و دنیا
میں تم سے قتال کیا تمکو اپنے مالک سے غفل کرنا
اور تمہارے اخراج اور بے دخل کرنے میں مدد دی۔

اَنْ تُولُوهُمُوْا - وَ مَن يَتَوَلَّهُمْ
 فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ؕ

اور جو لوگ ایسے کفار سے موالات رکھیں
 وہ سب ظالم ہیں۔

اس سے واضح اور صاف بات ترک کیا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اس آیتہ کریمہ کی رو سے
 کفار کے دو فرق ہو گئے۔ پہلا فرق وہ جو اسلام سے پرہیز پکارتا ہو اور دوسرا فرق
 وہ جو اسلام کا مقابلہ نہیں کرتا۔ پہلے کا یہ حکم کہ اُس سے موالات نہ اور مناصرت
 کے جمیع تعلقات قطع کر دو خواہ وہ یہود و مشرک ہوں یا نصرانی یہ آیتہ کریمہ
 کسی کی تخصیص نہیں کرتی۔ چھلے کا یہ حکم کہ اس کے بہلانی اور سلوک روار کہ پور
 اس کے ساتھ انصاف کرو۔ اس میں یہی کسی کی تخصیص نہیں ہے۔ دین اسلام
 ایک مکمل قانون و شجاع و باہر و تہذیب ہے۔ اس میں ہر طرح اندرونی
 معاملات و باہمی تعلقات اور اُن کے متعلق احکام کی کامل تشریح ہے۔ اس میں ہر
 بیرونی تعلقات کی بھی کافی توضیح اُس میں موجود ہے۔ اسلام اپنے شجاع
 ہو چکے سب سے اُس دشمن کے ٹھکرانے اور کچلنے کے لئے تیار ہے جو اس کے
 مقابل اکٹرا ہو پھر وہ خواہ کتنا ہی طاقتور اور صاحب جبروت ہو اسلام
 اس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا کیونکہ اسلام صرف خدا کے قیوم پر اعتماد کرانے کے
 لئے دنیا میں آیا ہے جس دین کی ہدایت یہ ہو کہ ہر معاملہ میں خدا کے قیوم پر
 اعتماد کیا جائے اور اس کے مقابلے میں تمام اسباب اور کل مادی طاقتیں بھیج
 سمجھی جائیں اُس سے بڑھ کر کون شجاع مذہب ہو سکتا ہے یا اسی طرح ہر معاملہ
 باہر و تہذیب ہے کہ جو اخلاق سے پیش آئے یا آئندہ صلح ہو اس کے ساتھ
 اخلاق سے پیش آئے اور صلح کیلئے ہاتھ بڑھائے اور یہی مقتضائے عقل و
 فطرت ہے۔ چونکہ دین اسلام دین فطرت ہے اس وجہ سے اُس کے احکام
 ہی نہایت سادہ و صاف و فطرت کے مطابق ہیں۔

اسکے بعد یہ معلوم کرنی کی ضرورت ہے کہ کون برسرِ پیکار ہے۔ اور کون آمادہِ مصالحت۔ ظاہر ہے کہ ہندو نہ خلافت کا خاتمہ کر رہے ہیں نہ مقامات مقدسہ کو تخت میں لانا چاہتے ہیں بلکہ انکی جانب سے ایسے نازک وقت میں پیہم ہمدردی کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ آج صرف عیسائیت اسلام کے ساتھ دوست بگڑیاں ہے کہ جو اسلام کا استیصال کرنا چاہتی ہے پھر یہ کس قدر بدتمیزی ہے کہ جو معاملہ مقاطعت ایسے دشمن اسلام کے ساتھ کیا جائے وہی صلح جو قوم سے بھی۔

بجز اللہ تعالیٰ اس تقریر سے ہر شہادت کا قلع قمع ہو گیا۔ پہلے دو شبہ کی لغویت فارغ از میان ہے پچھلا شبہ البتہ نظرِ عوام میں ذرئی ہو کہ اس تحریک (ترکِ موالات) کی بدولت شعارِ اسلامی کی سخت توہین ہوئی کہ بعض لیڈران قوم نے شقے لگائے جے کے نعرے بلند کئے۔ گاندھی جی کو حضرت امام مہدی کے قائم مقام مانا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی بعض لیڈران نے ایسا کیا جہاں تک ہم کو علم ہے یہ افواہ محض ہے بنیاد ہے جس کا منشا بجز اسکے کچھ نہیں کہ ان جوان مردوں اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو بدنام کر کے اس اسلامی تحریک کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس طرح دشمن اسلام گورنمنٹ کا طوقِ غلامی ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کی گردن میں پڑ جائے۔ اور اگر اس واقعہ کی کچھ اصلیت ہے تو یہ الزام صرف ان لیڈران پر عائد ہو سکتا ہے جنہوں نے ایسا کیا۔ اسکا اثر انکی ذات تک محدود رہنا چاہئے نہ یہ کہ ایک ضرور کا اسلامی تحریک ناچار و ستر ہو جائے۔ یوں ہو تو پھر قہار و دوزخ و حج ذکوۃ پر ہی ہاتھ صاف کر نیکارا ستہ نکل آئیگا کیونکہ نادانیت کی وجہ سے اکثر حضرات ان

ضروری اور جان میں بے اعتدالیاں کر گزرتے ہیں۔ مفسد و بے اعتدالیوں کو جوہر سے ان ارکان کی فرضیت نہیں رخصت ہو سکتی بلکہ مفسد کی اصلاح کی جائیگی۔ اور فرض بدستور فرض رہیگا۔ آج ملافت دشمن اسلام فرض ہے یہ فرضہ بعض مفسد کے رد نامہ پر نیسے ساقط نہیں ہو سکتا۔ دیکھو چھائی کرام اسکی تصریح کرتے ہیں کہ جناہ کے ساتھ اگر بوجہ کرنیوالی عورتیں ساتھ ہوں تو سنت اجماع جنازہ ترک نہ کرنا چاہئے کہ حسنات سیئات کی وجہ سے ترک نہیں کئے جاسکتے۔ جب ایک افسر سنون بعض مفسد کے رد نامہ ہوئے قابل ترک نہیں ہے تو یہ کس قدر ستم کی بات ہے کہ بعض حضرات کے ایک ناجائز فعل سے فرضہ اسلامی ہی ترک کر دیا جائے۔ علماء کرام کسی کے ناجائز فعل کے کب ذمہ دار ہیں۔ کیا کوئی اسکا ذمہ لے سکتا ہے کہ ہندوستان جیسے طویل عریض ملک میں کوئی شخص ہی ناجائز فعل نہیں کریگا۔ کتنی ہی بہتر سے بہتر تحریک ہو اسکے متعلق ہرگز یہ ذمہ نہیں لیا جاسکتا کہ وہ بالکل منرد عن التقاض رہیگی اور اسکو کسی منسہدہ سے سابقہ نہیں پڑ سکتا۔ البتہ علماء کرام کا یہ فرض ہے کہ مفسد سے عوام کو روکیں چنانچہ یہ فرض اوہوں نے اپنے متفقہ فتوے کے میں ادا کر دیا کہ جو فقیر کے پیش نظر ہے اور اسکی عبارت یہ ہے۔

لیکن شرط جویش اتحاد (ہندو مسلم) میں مسلمانوں کو کوئی ایسا امر نہیں کرنا چاہئے جو غیر مشروع ہو۔ درتہ ایسا اتحاد جس سے دیگر مفسد پیدا ہوں ناجائز ہے۔ ان کی صورت میں عقدہ کا ایک قاعدہ کلمہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

مصلحتوں کی رعایت کے اعتبار سے علماء

مفسدین اور انکی اصلاح

المصالح اذا تعارضت مصلحة
ومفسدة قد م د فح المقسدة
غالب لان اعتناء الشرع
بالمقدمات اشد من اعتناؤه
بالمصالحات كالاشباه والنظائر

رفع کذا اولی ہی اور جب کوئی مصلحت اور
مفسدہ متعارض ہو تو اکثر دفع مفسدہ کو ترجیح
ہوتی ہے۔۔ اس لئے کہ منہیات سے
بہرہ کنی کی طرف شرع کی توجہ زیادہ ہے
باقی توجہ الی الامورات کے۔

علاوہ ازیں مجدد و بریلوی حکیم الامتہ تھانوی کو کس نے منع کیا ہے
کہ وہ اس تحریک کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ اگر دونوں صاحبان اسکا تہیہ کر لیں اور
مفسدہ پر وقتاً فوقتاً مطلع فرماتے رہیں تو ایسا کون مسلمان ہے کہ جو دو پیشوا
قوم کی دسینگا بلکہ بہت ممکن ہے کہ تمام مسلمان موجودہ لیڈروں کو چہرہ کر
صرف دو صاحبان کے اشاروں پر حرکت کرنے لگیں۔ اور یہی ہمارا ہی جی
چاہتا ہے۔ لیکن جبکہ دونوں بزرگوار کی یہ حالت ہو کہ خود کچھ کریں اور نہ
دوسروں کو کرنے دیں تو پھر مسلمان انکی طرف رخ ہی نہیں کر سکتے اور
اس طرح جو دونوں بزرگوار کی موجودہ مقبولیت ہو شاید اسکا ہی خاتمہ ہو جائے۔

مودت نصاریٰ پر مفید بحث

حکیم الامتہ تھانوی اپنے شبہ کو تقویت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے

والامت جس طرح یہود و نصاریٰ کے ساتھ ممنوع ہے یہودیوں ہی بلکہ اس سے
زیادہ مشرکین اور منہود کے ساتھ ممنوع ہے۔ کیونکہ بعض قرآنی مشرکین کا
نصاریٰ سے زیادہ مسلم اور مسلمانوں کا دشمن ہونا ثابت ہے۔ لتجدن
اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين اشرکوا۔ لکن

بیشک تمام لوگوں میں مسیح کے زیادہ دشمن مسلمانوں کا تھم ہو اور دشمنوں
کو پاؤں گئے

مضمون آیتہ کریمہ صحیح نقل کیا گیا۔ حکیم الامتہ نے صرف یہ تصوف کیا کہ
وقتی حکم کو دائمی حکم قرار دیا اور (لتجدن) کا ترجمہ (تم پاؤں گے) کیساتھ کیا حالانکہ ترجمہ یہ ہونا چاہیے
کہ (آپ پاؤں گے) دیکھئے صرف اتنے تصوف سے بات کیا تھی اور ہو گئی کیا۔
اس آیتہ کریمہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔ نہ کہ
قیامت تک ہونیوالوں مسلمانوں کو۔ لفظ (تم) سے یقیناً ذہن اس طرف
منتقل ہو جاتا ہے کہ اسکے مخاطب عامہ مومنین ہیں۔ دیکھئے کہ صرف خطاب
کے تبدیلی نے واقعہ خاص کو عموم کا جامہ پہنا دیا۔ اور وقتی حکم کو دائمی حکم
بنادیا۔ یہ میں مخفی حکمت عملیاں جن تک ہر شخص کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ بات
صرف اتنی ہے کہ عہد اقدس میں مسلمانوں سے برسر پیکار صرف دو فرقے تھے
یہود و مشرکین۔ باقی رہ گئے نصاریٰ یہ مقابلہ پر نہ آئے بلکہ مسلمانوں کے
ساتھ سلوک کیا۔ اس وقت حبشہ میں عیسائی سلطنت تھی اسکے بادشاہ
نخاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی جو قریش مکہ کے ظلم و ستم کیوجہ سے
حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ اسلام کی پہلی ہجرت تھی چونکہ شاہ
نخاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی اور انکے ساتھ سلوک کے برتاؤ کئے
تھے اسوجہ سے یہ آیتہ کریمہ اُس کے حق میں نازل ہوئی جس سے حکیم الامتہ
استدلال کر رہے ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ شاہ حبشہ نے اسلام
قبول کر لیا۔ اسکی وفات کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ اسکی نماز جنازہ پڑھی
اس سے قارئین کرام نے معلوم کر لیا ہوگا کہ یہ حکم وقتی تھا نہ یہ کہ قیامت
تک نصاریٰ کی اہل اسلام سے مودت و دوستی رہیگی۔ اگر آیتہ کریمہ کا یہ

مطلب ہو تو واقعات اسکی تکذیب کر دینگے۔ کیوں کہ اسلام کے ساتھ
 سب سے بڑھ کر عیسائیت معرکہ آرا رہی۔ محارب باطن صلیبیہ اسکے
 لئے شاید عدل ہیں۔ یہودی کی قوت کا خاتمہ عہد اقدس ہی میں ہو چکا تھا جو
 آج تک مردہ ہیں اور قیامت تک جنتب ارشاد قرآن کریم اسی طرح
 مردہ رہینگے۔ عیسائیت ہی صرف اسلام کا حریف رہ گئی جو تیرہ سو برس
 سے برابر معرکہ آرا ہے۔ ایسی حالت میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ خالق اکبر کے
 کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نصاریٰ قیامت تک مسلمانوں کے ساتھ مودت و
 دوستی کرتے رہینگے۔ ورنہ پھر بتائے یہ دوستی کی کونسی قسم ہے جو بحالت
 موجودہ نظر آ رہی ہے۔ آیتہ کریمہ کا یہ مفہوم جو ہم نے سمجھا ہے یہی امام
 فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس
 تحت آیتہ کریمہ بیان فرماتے ہیں۔

ابن عباس اور سعید بن جبیر اور عطاء اور
 نے کہا ہے کہ اس آیتہ کریمہ میں مراد
 (شاہ) نجاشی اور اسکی قوم ہے جو حبشہ
 حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی
 خدمت میں حاضر ہوئی اور ایمان لائے نہ کہ
 تمام نصاریٰ۔ خصوصاً جبکہ انکی عداوت
 مسلمانوں کے ساتھ ظاہر ہے۔

قال ابن عباس وسعيد بن
 جبير وعطاء والسدي
 المراد به النجاشي وقومه
 الذين قتلوا من الحبشة
 على الرسول صلى الله عليه وسلم
 وآمنوا به ولم يؤمنوا بجميع انصاره
 مع ظهور عداوتهم للمسلمين

اس تفسیر نے حقیقت کے سرخ سے بالکل نقاب اٹھا دی کہ کل نصاریٰ
 نہیں مراد ہیں بلکہ صرف نجاشی اور اسکی قوم۔ لطف یہ کہ باقی نصاریٰ
 کی عداوت کا بھی اظہار کر دیا گیا۔ سچ پوچھو تو اس تفسیر سے بھی مدد لینے کی

چندان ضرورت نہیں جبکہ خود آیتہ قرآنی اسکا فیصلہ کر رہی ہے۔
آفتاب دلیل آفتاب۔ اسی آیتہ کے متصل حق تعالیٰ نے مودت
نصاری کا یہ سبب بتایا ہے کہ

ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَّةَیْنِ

وَرُءُ هُبَاتٍ شَاوَا تَهْجُرُو

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ

(نصاری سے مسلمانوں کی مودت و

محبت) اسوجہ سے ہے کہ انہیں علماء اور

درویش ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

دیجئے قرآن کریم کے فیصلہ کے بعد اب کیا کسی کی مجال ہے کہ

قرآن کریم نصاریٰ کی مودت کا سبب یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دنیا سے
انقطاع رکھتے ہیں۔ اور طمع و حرص و حب جاہ سے انکا دامن پاک ہے۔

اس معلوم ہوا کہ یہود و مشرک حب جاہ و حرص کی وجہ سے لڑتے جھگڑتے ہیں
عبدالقدس کے نصاریٰ کا عموماً یہی حال تھا کہ انکو دینوی علائق سے بہت

کم سروکار تھا اور وہ راہبانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے اسوجہ سے انکو کسی کے
ساتھ عداوت نہ تھی۔ یہود و راعت پیشہ اور مشرک تجارت پیشہ تھے

اسوجہ سے آئے دن مسلمانوں سے برسر پر غاش رہتے تھے۔ اسی کو کسی کے
وضاحت کے ساتھ تفسیر کیا بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عبدالقدس کے

نصاری چونکہ تارک الدنیا تھے اسوجہ سے انکو کسی سے نہ کوئی عداوت تھی
نہ کوئی پر غاش۔ اسوجہ سے قرآن کریم میں بمقابلہ یہود و مشرکین انکو

ترجیح دینی اور وہ ہی اسیتقدیر کہ مودت سے قریب ہیں نہ یہ کہ انکو مسلمانوں
سے مودت ہے۔ ان تارک الدنیا نصاریٰ پر حکیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ نصاریٰ

کو قیاس فرما رہے ہیں کہ جنکو حرص تو کیا جوع البقری۔ بلکہ جوع الارض کہ جو
یورپ و رکنار کام ایشیا کو مہنم کرنے کے بعد ہی قناعت کرتے ہوئے

نظر نہیں آتے جب سبب علوت عرض قرار پایا تو آیتہ کرمیہ کی رو سے
 سب سے زیادہ دشمن اسلام موجودہ نصاریٰ قرار پاتے ہیں۔ خدا کی شان
 یہی ظاہر ہی ہو رہا ہے۔ لیجئے حکیم الامتہ نے جس آیتہ کو اپنے مفید مطلب
 سمجھا کر پیش کیا تھا وہ ہمارے مفید مطلب نکلی ہے۔

میں الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اس قدر بحث کی جب ضرورت ہو کہ موجودہ نصاریٰ عہد
 اقدس کے نصاریٰ کی طرح خدا کے قیوم کی ہستی کے بھی قائل ہوں۔
 لیکن موجودہ نصاریٰ دوسرے ہیں یہ نہ خدا کے قیوم کے قائل نہ کسی مذہب کے
 پیرو۔ انکی موجودہ تعلیم میں سرسردہ ہریت پھری ہوئی ہے۔ آگسٹور و یونیورسٹی
 کا ایک پروفیسر لکھتا ہے کہ تم کو خدا اور میر (طبیعت) میں سے صرف ایک کی ضرورت ہے
 دیکھو یہ کج بحث کس بے باکی سے خدا کے قیوم اور نیچر کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اور کس
 شان ترود سے اسکو بیان کرتا ہے۔ جو قوم اپنی ایسی عظیم الشان یونیورسٹی
 میں ایسے محمد بن کو پروفیسر تک بنا دیتی ہے وہ قوم خود کیا ہوگی۔ انکے یہاں کا
 ایک مشہور حکیم ڈارون سئلہ ارتقا کا قائل ہے۔ یعنی عالم کا ایک ایک
 ذرہ خود بخود ترقی کر رہا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر وہ کہتا ہے کہ انسان پہلے
 پتھر تھا۔ ترقی کرتے کرتے یہ صورت اختیار کر لی اسکا یہ عقیدہ تقریباً کل
 انگلستان میں سرایت کر گیا ہے۔ اور آج ہندوستان میں بھی بیسے لوگ
 ایسے پید ہو گئے ہیں جنکا عقیدہ ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد پتھر تھے۔ پہلا یہ عقیدہ
 عہد اقدس کے نصاریٰ میں کہاں جنکا وصف قرآن میں آیا ہے۔ وہ تارک
 الدنیا صحرائیں درویش تھے۔ یہ دوسرے دنیا پر کے حریف۔ کجاوہ کجاہ۔
 موجودہ نصاریٰ البتہ پرستار قومیت ضرور ہیں مذہب کو ہی اسی حد تک

ہستے ہیں کہ قومیت مضبوط رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نظروں میں یورپین
 یہودی ہندوستانی عیسائی ستریاوہ و قبیح ہے۔ جس عہدہ جلیلہ پر وہ فائز
 ہو سکتا ہے اسپر ہندوستانی عیسائی کا بھی تقرر نہیں ہو سکتا۔ یہ کیوں! صرف
 اسلئے کہ مذہب ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں۔ جب یہ ہے تو سمجھ لینا چاہیو
 کہ دہریوں سے کل مذہب کے پابند بہتر ہیں کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کی
 ہستی کے معترف ہیں اور دہرے منکر۔ دہریوں کی سلطنت کا جلد تر
 خاتمہ کر دینے کی کوشش مسلسل جاری رکھنا بہترین عبادات میں سے ہے۔

اجتماع الضمین

مجدد بریلوی اور حکیم الامتہ تھانوی کی نسبت عام خیال تھا کہ
 یہ ہر دو بزرگ کسی واحد فیصلہ پر بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن خدائے تعالیٰ کی
 شان ہے کہ مسئلہ خلافت و ترک موالات میں دونوں متفق الرائے
 ہو گئے۔ اسپر عام ناراضگی کا جا بجا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اتفاق یہی ہوا تو
 کس مسئلہ میں۔ عام خیال یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا اتفاق تمام ہند
 میں اختلاف ڈال دیا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ جمہور کے ساتھ تمام امور میں انکا
 اختلاف نہیں ہے۔ ترک موالات کی ایک تجویز مذہب الہی ہی ہے جسکو
 دونوں بزرگوں نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد
 نہ دی جائے۔ دیکھو ہر دو بزرگوں کی یہ دو عبارتیں عبارتِ مسیح و۔

”بچنا ہر چیز کا جین امانت، حرب یا اپانت، اسلام نہ ہو، عبارت

حکیم الامتہ ”البتہ قسمہ کے زمانہ میں اہل فتنہ کے ہاتھ پر سلاخ سے نقہا نے منع فرمایا،“

یعنی دونوں عبارتوں سے صاف واضح ہو گیا کہ دشمن اسلام گورنمنٹ کو
 فوجی امداد نہیں دینا چاہئے۔ البتہ علمائے کرام اور سرورِ رگوار میں صرف
 گورنمنٹ کے نام لینے اور نہ لینے کا فرق ضرور ہے لیکن نفس تجویز میں سب
 برابر ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ کل تجاویز میں ایک تجویز ایسی بھی نکلی جو بلا اختلاف
 طے ہو گئی۔ لہذا اس متفق علیہ تجویز کو تمام تجاویز سے زیادہ اہم سمجھ کر اس میں زیادہ
 سعی کرنا چاہئے۔

اللہم انصر من نصر دین سیدنا محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم وأجعلنا منهم واخذل من
 خذل دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 ولا تجعلنا منهم و آخر دعوانا ان الحمد لله رب
 العلمین۔ والصلوة والسلام علی نبیہ وجیبہ
 سیدنا و مولانا و شفیعنا محمد و آلہ
 و اصحابہ اجمعین

تَبَاحُ مَسْئِلَتِ

مطالبہ اسلام

مسلمانو! اس وقت شوکت اسلام خطرہ میں ہے۔ اسکی خلافت کا قصر منہدم کیا جا رہا ہے۔ اسلامی سلطنت اور صرف ایک اسلامی سلطنت کے فنا کر نیک دشمنان اسلام نے فیصلہ کر لیا ہے۔ اسلامی عزت و شوکت کا محافظ حق تعالیٰ شائع ہو۔ اسلام پست نہ ہو۔ باقی رہیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اندیشہ ہو تو صرف اسکا کہ جس امانت خداوندی کے آج ہم حامل ہیں کل دو سکر کو وہ امانت سپرد ہو جائے اور اسطرح ہم خدا بخواتی راندہ درگاہ الہی ہو جائیں۔ کل قیامت میں ہر ور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضور ی ہونیوالی ہے۔ آج اسلام پر وقت آپڑا ہو۔ جان و مال اور آبرو سب کچھ اسپر بھجوا کر دو۔ تاکہ قیامت کے ہولناک میدان میں سوائے شرمندگی نہ ہو اور شفاعت کبریٰ کے مستحق بن جاؤ۔ یاد رکھو آج عمل ہو۔ حساب نہیں۔ قیامت کو حساب ہوگا پھر عمل کہاں جو کچھ کرنا ہے یہیں کر لو۔ مع

ما علینا یا اخی الا البلاغ

خاکسار عبید الرحمن غفرلہ ولوالدیہ (سیلی ہتی)

تلمیذ حضرت علامہ اجمیری عم فیضہ الجاری

(نوٹ) جس مسلمان کے پاس یہ تبلیغی رسالہ پہنچے وہ خود پڑھے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی بچایا مضامین سے آگاہ کر دے۔ اگر سالہ ذاکر عزت ہو تو مجلس خلافت اجمیریہ سے طلب کر لیں۔ جو صاحب بندہ خود چھپواتا چاہیں ان کے لئے اجازت ہے نقد